بسم اللہ الرحمن الرحیم

یادِ رسول

روحانی ہیرو

دنیا کی شاید ہی کوئی ایسی قوم ہو جس میں کوئی نہ کوئی ہیرو نہ گذرا ہو
اگرچہ کوئی قوم کیسی ہی شہرت رکھتی ہو۔ اگرچہ اُس کی شہرت اور
قومیت کا کوئی ہی درجہ اور مرتبہ ہو۔ وہ بھی کوئی نہ کوئی اپنا ہیرو ضرور
رکھیگی۔ قوموں کی زندگی کا اہم قیمت اور اعلیٰ جزو وہی لوگ ہوتے
ہیں جو اس قوم میں اپنی خوبیوں کے اعتبار سے شہرت پذیر ہوں۔
وہی قوم زندہ ہے جس کے نامور اور ہیرو مر کر بھی ملی اور قومی رنگ میں
زندہ ہیں جس قوم کے ہیرو مرنے کے بعد زندہ نہیں ہیں۔ یا انہیں زندگی
نہیں بخشی جاتی وہ قوم باوجود ایک عرفی زیست اور زندہ ہستی رکھنے
کے بھی ایک مردہ قوم ہے۔ بےشک ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مسلمان بھی ایک قوم

ہیں دراصل مسلمان ایک ملت رکھتے ہیں۔ قوم اور ملت میں فرق ہے
قوم میں ملت شامل نہیں ہوتی یعنی کوئی قوم بغیر ملت کے بھی ہو سکتی ہے
لیکن کوئی ملت بغیر قومیت کے نہیں ہوتی۔ ملی سلسلہ ہمیشہ معادیات
کے تحت نشو ونما پاتا اور مذہب سے مضبوط ہوتا ہے۔ قوم بغیر معادیات
اور مذہب کے بھی ہو سکتی ہے۔

اگر ہم دنیا کی مختلف قوموں کی صحیح تاریخ پڑھیں گے تو ہمیں معلوم
ہو جائیگا۔ کہ وہی قومیں زندہ ہیں یا وہی زندگی کی نعمت رکھتی ہیں جن کے
نامواران قومی اور قومی ہیروان کی نظروں میں زندہ ہیں اور جن قوموں
میں یادرفتگان کی کہانیاں عملی رنگ میں کوئی وجود رکھتی ہیں۔ نامواران
قوم یا قوم کے ہیروز کی یادگار دو طرح سے ہستی پذیر ہوتی ہے۔

(الف) بذریعہ اُن کے دائمی یاد کے۔

(ب) بذریعہ عمل اُن کے معقولات کے۔

یہی دو طریقے ہیں۔ جن سے قوموں کے مردہ ہیروز اور گذشتہ مقدس
ہستیاں زندہ رہتی ہیں۔ اور جن کے آثار اور معقولات سے پچھلی نسلیں مختلف
رنگوں میں مستفیض ہوتی ہیں۔ جو نسلیں اور جو ذریات قومی بزرگوں اور ناموَر
اسلاف کی یاد سے غافل اور لاپروا ہیں جو قوم اپنے اسلاف اور اپنے مشاہیر
کی نام لیوا ہو وہی قوم زندہ رہ سکتی ہے اور اسی قوم کو کہا جا سکتا ہے کہ زندہ ہے

یادِ رفتگان اور ایک غلطی

مختلف اقوام کے طریقِ یادِ رفتگان پر غور کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ بعض قوموں میں فرطِ اعتقاد یا فرطِ محبت یا بعض دیگر غلط فہمیوں کی وجہ سے یادِ رفتگان کے طریقوں میں بہت کچھ کمزوریاں بھی پیدا ہو گئی ہیں۔ بالخصوص ان مشاہیر کی یاد میں جو روحانی مشاہیر شمار ہوتے ہیں بعض لوگوں نے ان کی تقدیس و تکریم میں اس قدر حصہ لیا کہ رفتہ رفتہ ان کا درجہ خدا بنا دیا یا خدا سے اوپر ثابت کیا گیا۔ اگرچہ اس طریقِ عمل سے منجملہ دو باتوں کے ایک تو پائی جاتی ہے کہ یا تو یہ بات اور ایسا عقیدہ فرطِ محبت کا موجب ہے اور یا کوئی بڑی بھاری غلطی لگ گئی ہے۔

خواہ کوئی ہی وجہ ہو — اس کا اثر و نتیجہ یہ ہوا کہ ایسے مشاہیر کے ذمہ ایسے ایسے امور لگائے گئے اور انہیں اس قدر بڑھایا گیا کہ اُن کی روح خود ہی ان سے طرح طرح کی گذرتی ہے۔ بیشک یادِ رفتگان ہر قوم کیواسطے ایک لازمی شئے ہے اور بالفاظِ دیگر قوموں کی یہ بھی ایک زندگی ہے جو قوم اپنے مشاہیر کی قدر نہیں کرتی اور جس قوم کے افراد کے دلوں میں اپنے ناموَر اسلاف کی کوئی قیمت اور کوئی منزلت نہیں وہ قوم بجائے خود ایک مردہ قوم ہے۔ نہ تو اُس میں کوئی حس ہے اور نہ کوئی غیرت اور حمیت۔

لیکن یادِ رفتگان کا یہ طریقہ درست نہیں ہے کہ اُن کی تقدیس اور درجہ ذاتِ خدا کا

سے بھی بڑھا دیا جائے۔ یہ تو خود ایسے مشاہیر کے بھی نقطۂ خیال سے خلاف ہو۔ یا درفتگان ہی واجب اور صحیح ہے جس میں ان کا واقعی درجہ ایک خوبی اور محبت کیساتھ عملی اور علمی رنگ میں قائم رکھا جائے۔ بالخصوص روحانی مشاہیر کے متعلق تو لازمی ہے کہ ان کے اور ذات صمدی کے درمیان جو امتیاز اور فرق ہو وہ پوری ذمہ داری کیساتھ ثابت اور قائم رکھا جائے کیونکہ بجائے خود ایسے مشاہیر کو بھی اپنی ذمہ داری کیساتھ ایسا ہی منظور رہے۔

جب خود مشاہیر روحانی ایسا ہی چاہتے اور ایسی ہی تبلیغ کرتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ان کے شاگرد اور مرید خواہ مخواہ

(پیران نمے پرند مریدان مے پرانند) کے مصداق ہوں۔

لیکن اس کیساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ ایسے مشاہیر کا وہ درجہ پوری سلامتی کیساتھ قائم رکھا جائے جو قدرت نے انہیں بخش رکھا ہے۔ یہ نہ ہو کہ گھٹتے گھٹتے ان کی واجبی عظمت اور حرمت بھی ہاتھ سے دے بیٹھیں۔ جو درجہ قدرت نے انہیں بخش رکھا ہے اس سے ایک بیر بھی نہ ہٹایا جائے۔ ان کی تقدیس ان کی حرمت اور ان کی اطاعت اس مرکز پر قائم رکھکر (جس پر خود قدرت چاہتی ہے) ان کی ہستی کا اعتراف کیا جائے جب یہ کہا جاتا ہے کہ مشاہیر مذہبی کو ان کے درجہ سے نہ بڑھایا جائے۔ تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ گھٹاتے گھٹاتے اس کی اصلیت ہی گم کر دیجائے اور جو تقدیس اور حرمت لازمی

ہے اُس کا نام ہی مٹا دیا جائے۔

اقسامِ مشاہیر

دُنیا میں بعض اقوام کے مشاہیر کی دو جداگانہ قسمیں ہیں۔ خصوصاً اُن اقوام کی جنکی قومیں اور وطن جداگانہ ہوتے ہیں۔

(الف) مذہبی مشاہیر۔

(ب) دنیوی مشاہیر۔

ایسی قومیں کبھی کبھی ایسے مشاہیر کو ایک خصوصیت اور ایک امتیاز سے مانتی ہیں۔ اور ان کی امتیازی خصوصیتیں جداگانہ ہوتی ہیں۔ مذہب اسلام ایک ایسا مذہب ہے۔ کہ جو نہ تو کوئی جداگانہ قوم رکھتا ہے اور نہ کوئی جداگانہ وطن۔ اُس کی قوم اور اس کا وطن کیا ہے۔ کلمہ

(لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ)

بس ان ہی فقرات یا ان ہی الفاظ میں مسلمانوں کی قوم، قومیت اور وطن محصور ہے۔ یہی مسلمانوں کی قوم ہے اور یہی وطن۔ اگرچہ جہاں جہاں مسلمان بستے ہیں اور جس جس سرزمین میں اُن کی بود و باش ہے۔ وہ بھی ان کا وطن ہے اور اُن سے بھی علیٰ قدر مراتب انہیں اُلفت اُنس اور محبت و تعلق ہے۔ مگر اصلی

اور حقیقی مذہب مسلمانوں کا یہی کلمہ شریف ہو۔ اس قومیت اور اس وطن کا دروازہ کیا ہے۔

(السلام علیکم)

چونکہ مسلمانوں کی قوم اور وطن کلمہ شریف ہی ہے۔ اس واسطے ان کا بڑا ہیرو اور مقدم مطلب وہی ہو سکتا ہے جس نے یہ کلمہ شریف مسلمانوں کو تلقین کیا۔ یا جس نے اس کی بنیاد رکھی ہے۔ خدا کے دوسرے درجہ پر بس وہی ذات اقدس ہے۔ اول خدا اور بعد ازاں یہ ذات بابرکات

"قصہ مختصر کہ بعد از خدا توئی"

اس عظیم الشان ہیرو کا اعلان

جو ہیرو ہماری قوم قومیت وطن اور ملت کی بنیاد رکھنے والا ہے اور جس کی دعاؤں کے تحت یہ سلسلہ قائم ہو کر نشوونما پا رہا ہے اس کا پاک نام

"محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہے"

مسلمانوں کو اس ذات مقدس سے جس قدر محبت اور انس ہے۔ شاید ہی کسی دوسرے مذہب اور کسی دوسری قوم کو اپنے روحانی ہیرو سے ہو۔ باوجود بہت سی موجودہ کمزوریوں اور ذلتوں کے بھی دنیا کے سامنے ہمیں فخر ہے کہ جس طرح

اور جس قدر ہم اپنے ہادی اپنے رسول سے محبت رکھتے ہیں اور کوئی نہیں رکھتا ہم گنہگار ذلیل نشانہ ادبار ساقط الاعتبار ہونے پر بھی عموماً اپنے رسول سے جو کچھ محبت اور انس رکھتے ہیں۔ واللہ دنیا میں وہ ہمارا ہی حصہ بخرہ ہے +

آتش عشق است کاندر نے فتاد
جوشش عشق است کاندر مے فتاد

دوسرے مذاہب والے بھی اپنے اپنے نبیوں اوتاروں اور مشاہیر کو مانتے اور ان سے محبت بھی رکھتے ہیں۔ مگر اس میں جو ہمیں کمال حاصل ہے وہ اور کسی کو کبھی نہیں۔ اور ہو کیوں نہیں۔ رہ رہ کر ہماری بو ہمنے ہی یہ ہے ؎

در دلِ مسلم مقامِ مصطفٰے است
آبروئے ما ز نامِ مصطفٰے است

جو پاک رسول ہمارا ملجا و ماوا اور سہارا ہے وہ اپنا اعلان کن سنہری اور دلاویز الفاظ میں کرتا ہے اور ہم سے دن اور رات میں کیا کچھ کہلواتا ہے۔ کلمہ

" اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ "

یہ وہ اعلان ہے جو دنیا کے ۵۴ کروڑ انسانوں کا وردِ زبان ہے۔ یہ وہ اشتہار ہے جو ہر مسلمان کے دل و دماغ میں کندہ ہے یہ وہ تبلیغ ہے جو قریباً دن اور رات کے پنج وقت دنیا کے بہت سے حصوں کے کوچوں میں منادی کی جا رہی ہے۔

اس اعلان کا خلاصہ یہ ہے کہ

"خدا ایک ہے اور اس کے سوائے اور کوئی خدا نہیں"

"محمدؐ اس کا بندہ اور رسول ہے"

دیکھو وہ عظیم الشان انسان جو اس وقت قریباً ۸۰ کروڑ انسانوں کا ملجا و ماوا ہے اور جس پر ہر مسلمان جان دیتا ہے یا جسے جان سے زیادہ تر چاہتا اور پیار کرتا ہے وہ باوجود اس کے بھی یہ اعلان کرتا ہے کہ میں خدا کا ایک بندہ ہوں اور اس کا رسول بھی ہوں"

اس فلاسفی پر بھی نظر کی ہوتی۔ کہ رسول سے اول عبدہ کیوں لایا گیا ہے اس کا لطف وہی لوگ اٹھا سکتے ہیں جو منصف اور حق شناس ہیں۔ عبدیت کا رسالت کے اول لانا بہت کچھ لطف رکھتا ہے۔ عبدیت ایک ایسی شئے ہے جو دوسرے انسان یا دوسرے عباد بھی رکھتے ہیں اور جس میں یہ حیثیت عبد ہونے یا نفس عبد ہونے کی جہت سے کوئی تفوق نہیں۔ یا یہ کہ جو ایک مشترکہ حیثیت ہے اس حیثیت سے گویا رسول کریم کل دوسرے مسلمانوں سے باصول مساوات خود کو اسی لین میں کھڑا کرتے ہیں جس میں اور مسلمان و دیگر انسان بھی کھڑے ہو سکتے ہیں۔ وہ جمہوریت جو کل دیگر انسانوں اور مسلمانوں کو حاصل ہے اسی سلسلہ میں خود رسول کریم بھی ہیں۔

دوسرے یہ کہ عبدیت پہلے ہے۔ اور رسالت پیچھے جب تک انسان جامہ عبدیت سے ملبس و مزین نہ ہو رسالت کا مالک کیسے ہو سکتا ہے بمصداق

اِنّی جاعلٌ فی الارضِ خلیفہ ۔

تاج رسالت اور خلافت اسی صورت میں سر پر رکھا جا سکتا ہے جب عبدیت مقدم ہو گویا رسالت اور نبوت کو عبدیت لازمی ہے۔ جو عبدیت نہیں رکھتا وہ نبوت اور رسالت کا بھی وارث نہیں ہو سکتا ۔

چونکہ رسول اور نبی اپنے ابنائے جنس عباد اور انسانوں ہی کی طرف مبعوث ہوتا ہے نہ کسی اور جنس کی طرف اس واسطے عبد کا لفظ مقدم رکھا گیا تاکہ انسانوں کو معلوم ہو کہ خدائے قدیر نے ایک عبد ہی ہماری جانب تبلیغ کے واسطے مبعوث کیا ہے اور اس سے شرف عبدیت بھی ظاہر ہو ۔

رسالت اور نبوت ایک اضافی انعام ہے انعام اسی صورت میں عطا ہوتا ہے جب منعم کوئی حیثیت اور کوئی شرف رکھتا ہو۔ عبدیت ایک شرف ہے اور اس کا انتخاب اس ہی ایک شرف اس واسطے رسول کا لفظ کلمۂ شہادت میں بعد میں لایا گیا ہے ۔

عبدہٗ کا لفظ اس واسطے ہی لفظ رسول سے پہلے لایا گیا کہ لوگ یا ارادتمندان اسلام رسول کریم کو درجہ عبودیت سے باوجود شرف درجہ رسالت کے بالاتر نہ سمجھ لیں۔ جیسے کہ دوسری قوموں نے اکثر اپنے نبیوں یا مشاہیر روحانی کو سمجھ رکھا ہے رسالت کو عبودیت کیساتھ گویا مشروط اور مقید کر دیا گیا کلمہ پڑھنے کیساتھ ہی پڑھنے والا لازمی طور پر عبدہٗ کا لفظ پڑھ کر رسول کا

لفظ زبان پر لاتا ہو اس حد سے گذرنے کے بعد کیا کسی کلمہ گو کا یہ حوصلہ بھی ہو سکتا ہو کہ وہ
خدانخواستہ کسی قسم کے شرک کا خیال ہی دل و دماغ میں لا سکے۔ یا اس کے دل میں اس سے زیادہ کوئی اور خیال گذر سکے۔ ۵
پہلے لفظ عبد اور اس کے بعد لفظ رسول لانے سے یہی ایک مدعا تھا کہ مسلمان یہ سمجھ لیں کہ خدا کی درگاہ میں عبودیت کو وہ شرف ہو کہ ان میں کوئی کوئی بندہ خدا کی مرضی سے نبی اور رسول بھی ہو سکتا ہو۔ جب بعض منتخبان قدرت زیور رسالت سے مزین ہو سکتے ہیں تو کیوں بعض مسلمان صادق عبودیت کے ہونے اور اقتداء رسول کریم سے بمصداق علما یہ امتی کانبیا بنی اسرائیل بعض دیگر مراتب روحانیت سے مستفیض نہ ہو سکیں۔ جب ہمارا رسول کریم عبد ہو کر رسول ہو گیا۔ تو کیوں نہ ہم اس کے نقش قدم پر چل کر اور اس کے سلسلہ غلامی میں منسلک ہو کر بعض نچلے مدارج پا سکیں ۔ ۵

بشر کے بدی از ملک نیک تر
نہ بودی اگر چوں محمد بشر

کیا اس اعلان کے بعد بھی کوئی شخص یہ خیال کر سکتا ہے کہ ہمارے رسول کریم نے کوئی لائک پیٹ بھی رکھی ہے۔ کیا اس اعلان کے دیکھنے کے بعد کوئی بھی خیال کر سکتا ہے کہ مذہب اسلام فطرتی مقتضیات کے

خلاف جاتا ہے۔ یا وہ اپنے مریدوں کو ان راہوں سے لیجانا چاہتا ہے۔ جو فطری اور سلیم فطرت کے خلاف ہیں۔ اس روشن ضمیری کا یہ اثر ہے کہ چالیس کروڑ مسلمان رسول کیساتھ اس قدر محبت اور انس رکھتے ہیں۔

ایسے عظیم الشان انسان کی یاد

جب انسانی فطرت انسانی ضروریات اور انسانی زندگیاں اس امر کی بکشادہ دلی یہ اجازت دیتی ہیں کہ اپنی قوم کے مشاہیر اور ہیروز کی یاد قومی زندگی کیواسطے ضروری اور لازمی ہے تو کیا ایک ایسے عظیم الشان انسان کی یادگار لازمی نہیں ہے۔ اگرچہ اس ذی قدس اور ذی حرمت کا نام گرامی دن اور رات کے کئی ایک حصوں میں خصوصاً پانچ وقت لیا جاتا ہے۔ اور درود شریف کے ذریعہ اس کی یاد کروڑوں دفعہ دن اور رات میں ہوتی ہے لیکن اگر کوئی اور طریق بھی موزوں ہو تو کیوں وہی اختیار نہ کیا جائے۔

جیسے ہم نے اوپر کی سطروں میں کسی جگہ پر لکھا ہو کہ مشاہیر کی یاد ہمیشہ دو طریق سے ہوتی ہے یا کی جاتی ہے ۔

(الف) بذریعہ اُن کی وجیہ یاد کے

(ب) بذریعہ عمل ان کے مقولات کے

ایسے ہی یہاں بھی کہیں گے کہ یہاں بھی ان ہی دو طریقوں سے ایسی یاد ہو سکتی ہے ۔

اضافی یاد کے مسلمانوں میں عموماً اس وقت تین طریقے ہیں۔

(۱) بذریعہ کلمہ شریف

(۲) بذریعہ درود شریف

(۳) بذریعہ یاد میلاد شریف۔

پہلے دو طریقے عام ہیں۔ شاید کوئی بدقسمت مسلمان یا مسلمان گروہ ہوگا۔ جو اس عمل کا کسی نہ کسی حد تک عامل اور عادی نہ ہو۔ اگر فرداً نہیں تو مجموعتہً تو ضروری ایسا عمل ہے

یہ خوشی کی بات ہو کہ مسلمانوں کے اکثر گروہ یہ اب تک نہیں بھولے اگرچہ اس کی کسی قدر کسا د بازاری ہو لیکن خدا کے فضل و کرم سے اس کی یاد دلوں سے ایسی محو نہیں ہوئی ہے ۔

میلاد شریف

تیسری صورت مولود شریف ہے

عموماً تو اس کا رواج ہے اور اس کی بابت کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا لیکن بعض لوگوں کے نزدیک یہ ایک بدعت ہے ہمیں یہاں یہ بحث تو نہیں

کرونگا کہ اگر یہ بدعت ہو تو کیا بدعت حسنہ ہے یا بدعت سیۂ کیونکہ میں مولوی عالم فاضل تو ہوں نہیں کہ ان پیچیدگیوں اور جھگڑوں میں پڑوں میں تو ایک گنہگار فرد ہوں بہ اعتبار گنہگار اور عامی فرد ہونیکے کچھ عرض کرونگا سے

اے دل چہ خوری خون جگر زیں غم پنہاں
یک بار زبان بے خبر اظہار ضرور است

پھر وہی روحانی ہیرو

میں اوپر یہ تو مختصراً عرض کر چکا ہوں کہ مشاہیر قوم یا قومی اور ملی ہیروز کی یادگار قومی زندگی یا قومی احیاء کے واسطے ایک لازمی مرحلہ ہے۔ جو قوم اس سے غافل رہتی ہے وہ قومی زندگی کے خلاف جا رہی ہے۔ وہ قومی زندگی کی بنیاد اپنے ہاتھوں اکھاڑ رہی ہے۔ وہ قومی زندگی کی خوبیاں اور عمدگیاں یادگار نامے ایک کھٹکا اور گھاٹے میں ڈالتی ہے وہ اپنی اس غفلت کا خود خواب دہ اور ذمہ دار ہے۔

جو شخص یہ کہتا ہے کہ مولود شریف ایک بدعت ہو مولود شریف ناجائز اور خدا انخواستہ ایک زاید تکلیف ہے۔ میں اس سے باادب یہ سوال کرونگا۔ کہ

رسولوں کی تاریخ ۔
رسولوں کی سوانح عمریاں ۔
رسولوں کے سراپا ۔
رسولوں کی نعتیں ۔
ہمارے رسول کریم کی تاریخ ۔
ہمارے رسول کریم کی سوانح عمری ۔
ہمارے رسول کریم کا زندگی نامہ ۔
ہمارے رسول کریم کا سراپا ۔
ہمارے رسول کریم کی نعتیں
اور رسول کریم پر درود شریف ۔

جو اس قدر مسلمانوں میں معمول ہیں اور اس قدر اعتقاد سے پڑھے جاتے ہیں ۔ اور بڑے بڑے مقدس خدا رسیدہ لوگ ان کے لکھنے والے اور کہنے والے ہیں ۔ وہ کیا ہیں ۔ کیوں اُن کی نسبت بھی بدعت کا نعوذ باللہ فتوٰی نہیں دیا جاتا ۔ کیوں ان کی بابت چہ میگوئیاں نہیں کی جاتیں کیوں اُن سے انحراف نہیں ہوتا ۔ کیوں ایسی باتیں بھی نظر انداز نہیں ہوتیں ۔ اور اس کے ساتھ ہی کیوں درود شریف انہیں ترک کردیا جاتا کیوں کتاب دلائل الخیرات بھی یکسر منسوخ نہیں کردی جاتی ۔ ان سوالات

کا جواب دینے سے پہلے مہربانی کر کے مضامین مولود شریف اور مضامین
سوانح عمری، تاریخ، تذکرات رسول، نعت اور درود شریف کا جائزہ بھی
لیا جائے۔ اور دونوں کا ایک خوبی کے ساتھ مقابلہ بھی کر لیا جائے کہ
ان میں کیا فرق اور امتیاز ہے۔

اگر یہ سب کچھ ایک ہی ہے تو پھر مولود شریف کیوں بدعت قرار دیا جائے
مولود شریف میں سوائے درود شریف، تاریخ نبوی، نعت نبی کے اور ہوتا ہی
کیا ہے۔ اگر مولود شریف اس واسطے درست نہیں کہ اس کا رواج آنحضرت
کے وقت میں نہیں تھا۔ تو آں حضرت کی تاریخ کیا ان کی زندگی میں مکمل
طور پر لکھی گئی تھی۔ اور اس قدر نعتوں کا کب زور تھا درود شریف جو بجائے
خود ایک مولود شریف ہے آں حضرت کے روبرو لوگ بھی پڑھتے تھے۔ کیا
رسول کریم نے یہ بھی بند کیا تھا۔ درود شریف کیا ہے ایک مقدس دعا اور
اس پر مولود شریف بھی ایک دعا ہی تو ہے۔ ذرا کسی مولود شریف میں جا کر
دیکھو تو سہی کہ اس میں ہوتا کیا کچھ ہے اور کیا کچھ پڑھا جاتا ہے۔

رہی یہ بات کہ بعض مولود خواں یا بعض ملا اس میں ایسی ایسی روایات
اور ایسے ایسے قصے کہہ سن جاتے ہیں کہ جو کسی حد تک قرآن مجید کے خلاف
ہوسکتے ہیں اور یا ان کے بعض حصے صحت کے ساتھ مروی نہیں ہوتے۔ تو اس کا
یہ مطلب تو نہیں کہ کار خیر بند ہی کر دیا جائے یا اسے ایک بدعت کہا جاوے

بلکہ یہ کہ ایک صحیح مصالحہ بہم پہنچا دیا جائے ؛

مولود شریف کا فائدہ

جو ثواب یا جو فائدہ درود شریف کا ہے۔ وہی مولود شریف کا بھی ہے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ دن کیوں درود شریف پڑھتے یا پڑھواتے ہو۔ کیوں اس کے ثواب پر یہ مصداق

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یَا اَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

دلائل لاتے ہو۔ کیوں ہر مسلمان اس کا معترف اور عامل ہے اور کیوں اسکی کثرت پر علمائے اسلام اور صوفیائے عظام نے زور دیا ہے۔ اگر درود شریف کا کوئی ثواب اور کوئی فایدہ ہے تو کیوں وہی مولود شریف کا نہیں ہو سکتا کیا اس واسطے کہ کبھی کبھی اس میں رسول کریم کی ولادت کا حال بیان کر دیا جاتا ہے۔ اگر صرف یہی ایک نقص ہے تو پھر رسول کریم کی سوانح عمریاں ہی نہ پڑھو اہیں بھی ایک بدعت کہو ؛

مولود شریف میں جو کچھ بیان کیا جاتا ہے وہ چند کتابوں اور چند رسائل کی تذکیر اور یا چند بزرگوں کے اقوال اور اشعار بھی تو ہوتے ہیں۔ جب اصل کتابیں اور تاریخیں ہمارا الزام نہیں ہیں تو ان کی نقل کیوں متہم ہونے لگی ؛

ان دنوں مولود شریف کیوں ہونا چاہئے

اگرچہ شریعت خصوصیت کیساتھ مولود شریف کو لازمی نہیں گردانتی اور اگر کوئی نفس مولود شریف نہ کرے یا اُس میں حاضر نہ ہو تو وہ کسی شرعی وعید کے نیچے نہیں آتا لیکن یہ کہنا کہ جو شخص مولود شریف کراتا ہے یا اس میں جاتا ہے ایک بدعت خریدتا ہے درست نہیں۔ چونکہ ان دنوں قومی جذبات دن بدن مٹتے جاتے ہیں۔ اور وہ گرم جوش جو کسی وقت دلوں میں تھی۔ سرد پڑتی جاتی ہے۔ اور جذبات حسنہ بھی مدھم پڑتے جاتے ہیں اس واسطے یہ ضروری ہے کہ وہ باتیں کسی نہ کسی حد تک وقتاً فوقتاً ہوتی رہیں جس سے اسلامی اور قومی جذبات میں یہ اعتدال ایک روح پھونکتی رہے اور لوگ حوصلہ شکن تحریکات کے مقابلہ میں کبھی کبھی کوئی ایسی بات بھی سن لیا کریں جو مردہ دلوں میں زندگی بخش ہو۔

کیا جہاں ایک صحیح پیمانہ پر سلامتی کیساتھ آنحضرت صلعم یا دیگر مشاہیر اسلام کا ذکر ہو وہاں بلی جذبات زندگی پذیر نہیں ہوتے۔ اور کیا مردہ دلوں میں ایک روح نہیں پھونک جاتی۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ عوام الناس تو جدا رہے خواص میں سے بھی اکثر لوگ مذہبی زندگی سے زور ہوتے جاتے ہیں

اور وہ جوش یا گرمجوشی جو ہر فرد کے دل میں ہونی چاہیئے اور وہ غیرت جو ایک زندہ
بات کا لازمہ ہے ٹھنڈی پڑتی جاتی ہے ؎

تا بہ ہجر تو کار زار افتاد
کار ما گریہ ہائے زار افتاد

قومیں نہ صرف اعتقادیات ہی سے زندہ رہتی ہیں۔ بلکہ اپنے مشاہیر کی
یاد سے بھی کیا مسجدوں کے سوائے نماز نہیں ہوسکتی ہے۔ لیکن مسجدوں
میں جانا اور باجماعت نماز پڑھنا یہ خوبی بھی رکھتا ہے کہ ملی رنگ میں ایک
ایسا مجمع عموماً ایک زندگی بخش ہوتا ہے اور تنازعہ للبقا رکھوا سطے
ایک بالمقابل شہادت۔

جس مجمع یا جس مجلس میں رسول کریم کا ذکر خیر ہوتا ہے۔ کیا وہاں سامعین
کے دلوں میں ایک زندگی کی لہر نہیں اٹھتی۔ کیا رسول مقبول کی زندگی
مقدس کا ذکر نعوذ باللہ ایسا مکرر ہوچکا ہے کہ اب ہم پر اس کا کوئی
اثر بھی نہیں رہا۔ رسول صلعم کی زندگی اسوہ حسنہ ہے۔ ایسے اسوہ حسنہ
کا تحریری اور تقریری دونوں رنگوں میں اثر ہوتا ہے۔ اگر بذریعہ ایک
کتاب کے اسوۂ حسنہ کی یاد مفید اور ضروری ہے تو کیوں تقریری رنگ میں
بھی وہ مفید ثابت نہ ہو۔

مولود شریف کا آخر مطلب کیا ہے یہ کہ آنحضرت کی مقدس زندگی کے

شعار پر سنائے جائیں یا ان کا ذکر خیر کیا جائے۔ میں کہتا ہوں جہاں حضور
اقدس کا ذکر ہوتا ہے وہی ایک مولود ہے۔ اگر ایک شخص بھی حضرت رسول
کریم کی زندگی کا ذکر کرتا یا کسی کتاب سے پڑھتا یا ان پر درود شریف
بھیجتا ہے تو وہ بھی ایک مولود ہی ہے۔ اگر کسی کی رائے میں موجودہ ڈھنگ
مولود شریف کا کسی قدر ترمیم کے قابل ہے تو اسے ایک ٹھیک پیمانہ پر
لایا جا سکتا ہے۔ رہی یہ بات یا یہ خدشہ کہ اس طریق کے عام طور پر جاری
ہونے سے کبھی بت پرستی کی بنیاد پڑنی شروع نہ ہو جائے میں اس کا قائل
نہیں ہوں کلمہ شہادت بھی تو ایک مولود ہی ہے۔ درود بھی تو ایک مولود
ہی ہے کیا نعوذ باللہ یہ بھی مقدمہ بت پرستی ہے۔ ہاں یہ شبہ کرنے کی
گنجائش ہے کہ بعض لوگ ناسمجھی سے کبھی کبھی بعض غیر مستند روایات
کی وجہ سے جو بعض وقت بعض لوگ بیان کر دیا کرتے ہیں کسی روایتی
یا اعتقادی غلطی میں نہ پڑ سکیں لیکن اس کا علاج یہ نہیں کہ ذکر خیر ہی
بند کر دیا جائے بلکہ یہ کہ ایسے زوائد نکال کر ایک صحیح و داغ بیل ڈالی
جائے۔ بیشک بعض لوگ بوجہ کم علمی اور کم اندیشی کے بعض وقت اوٹ
پٹانگ روایات اور بے سند قصص بیان کرنے کے بھی عادی ہیں اور اس
میں فی الجملہ ایک نقص بھی ہے لیکن اس کی اصلاح بخوبی ہو سکتی ہے
آنحضرت صلعم کے واقعات صحیحہ اور مستند روایات چھوٹے چھوٹے رسالوں

اور ٹریکٹوں کے ذریعہ کثرت سے شائع ہونی چاہئیں۔ تاکہ رفتہ رفتہ لوگ ایک صحیح جادہ پر آتے جائیں۔

میرا اس سے ہرگز یہ منشا نہیں ہے۔ کہ بے سند قصوں اور فضول روایات کی تائید کی جائے۔ بلکہ صحیح روایات کے تحت یہ ذکرِ خیر جاری کیا جائے اور بہ یوم ولادت رسول کریم خصوصیت سے مولود کی مجلسیں قایم ہوں اور ان میں ایک ایسے رنگ پر ذکر خیر کیا جائے۔ جو عملی رنگ میں بھی زندگی بخش ہو۔ جیسے اعتقادی رنگ اور عملی رنگ میں فرق ہے۔ اسی طرح عبادتی رنگ اور عملی رنگ میں بھی فرق ہے۔ عملی رنگ میں ہی طریقہ زندگی بخش ہو سکتا ہے جس میں مشاہیر اسلام کی زندگیوں اور منقولات کا ذکر ایک خوش پیرایہ میں کیا جائے۔ اور ایسا ذکر ذکرِ خیر کا کام دے۔

محرّم کی مثال

اُن بعض اختلافات کو جدا رکھکر جو اہل سنت جماعت اور اہل شیعہ کے درمیان محرم کے بارہ میں زیر بحث رہتے ہیں اور جنکا اکثر حصہ فروعی ہے نفس واقعہ محرم کو مدنظر رکھکر جب یوم محرم یا واقعہ محرم پہ نظر ڈالی جاتی ہے تو اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ملی زندگی کی خاطر اس یوم کا منانا بھی ضروری ہے

اس دن کے آنے سے مسلمانوں کی رگ رگ میں ملی خون دورہ کرنے لگتا ہے جس طرح موسم کی تبدیلی سے خون میں ہوتا ہے اور قوتیں جوش میں آتی ہیں اسی طرح اس دن میں بھی اسلامی محبت جوش میں آتی اور اس سے کی جھلک دکھاتی ہے۔ جو اسلامی تقدس اور صادق نثار کی ایک زندہ نظیر ہو سکتی ہے ہر ایک کے دل و دماغ میں یہ بات نقش ہو جاتی ہے کہ تحفظ الاسلام کی خاطر مشاہیر اسلام اور امام حسین علیہ السلام نے کیا کچھ عدیم النظیر قربانی کی تھی جس قوم اور جس ملت کا قوت ایثار باقی نہیں رہتی وہ قوم صفحۂ دنیا سے مٹا دی جاتی ہے۔ ایثار ہی سے قومیں اور ملتیں باقی رہتی اور نشو و نما پاتی ہیں ۔

محرم کے واقعات صادق ایثار کا ایک ایسا مجموعہ ہیں جو ملت کے دل و دماغ میں ہر سال ایک ملی جوش کی تجدید کرتے رہتے ہیں۔ بیشک گھر میں اکیلے بیٹھکر بھی ایک فرد شخص کے دل و دماغ میں یہی اثر ہوتا ہے لیکن جماعت کی نماز کی مثال پر مجلس عزا میں کچھ اور ہی اثر ہے۔

جب محرم میں حضرت خواجہ اجمیری علیہ الرحمۃ کا یہ شعر کبھی پڑھا جاتا ہے

سر داد نداد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

تو اس وقت دلوں پر ہاں ان دلوں پر جو اپنے اندر کچھ جوش صداقت غیرت ایثار و محبت اسلام رکھتے ہیں جو کچھ اثر ہوتا ہے اس کی قیمت

وہی جانتے ہیں۔ شہادت امام حسین علیہ السلام کن باتوں کا ثبوت ہے"
(الف) توکل علی اللہ۔ استقامت۔ استقلال۔ ہمت۔ غیرت "
(ب) حس قومی۔ حس ملی۔ حس اسلامی۔ خودداری۔
(ج) ایثار ملی۔
کیا جس واقعہ میں اتنی باتیں ہوں۔ یا جس یادگار میں اس قدر خوبیاں اور اتنی تحریکات ہوں اس کی عظمت اور اس کی گہراں بہا قیمت سے انکار کیا جا سکتا ہے یا کوئی کہہ سکتا ہے دنیا عالات اس کی کسی نہ کسی رنگ میں ضرورت نہیں۔
اس واقعہ سے کہیں زیادہ رسول کریم کی زندگی زندگی بخش اور سبق زدہ ہے:۔

یادِ رسول میں چند اشعار

از حضرت مرزا غلام احمد صاحب مرحوم

در دلم جوشد ثنائے سرورے ... آنکہ در خوبی ندارد ہمسرے
آنکہ مجذوب عنایاتِ حق است ... ہم چو طفلے پروریدہ در برے
آنکہ در تیر و کرم بحرے عظیم
آنکہ در لطفِ اتم یکتا درے

آں رخ فرخ کہ یک دیدار او
زشت رو را میکند خوش منظرے

آں دلِ روشن کہ روشن کردہ است
صد درونِ تیرہ را چوں اخترے

احمدِ آخر زماں کز نورِ او
شد دلِ مردم زخورِ تاباں ترے

الانبی آدم فزوں تر در جمال
وز لئالے پاک تر از گوہرے

بر لبش جاری ز حکمت چشمۂ
در دلش پر از معارف کوثرے

بہرِ حق داماں ز غیرش بر فشاند
ثانئ او نیست در بحر و برے

آں چراغش داد حق کش تا ابد
نہ خطر نہ غم ز بادِ صرصرے

پہلوانِ حضرتِ ربِ جلیل
بر میاں بستہ ز شوکت خنجرے

تیرِ او تیزی بہ ہر میداں نمود
تیغ رو ہر جا نمودہ جوہرے

کرد ثابت بر جہاں عجزِ بتاں
در نمودہ زورِ آں یک قادرے

نا نما ندے خبر از زورِ حق
بت تراش و بت پرست و بت گرے

آں تر احمہا کہ خلق از وے پدید
کس ندیدہ در جہاں از مادرے

روشنی از وے بہر قدمے رسید

نورِ او رخشید بر ہر کشورے

آیتِ رحماں برائے ہر بصیر　　صحبتِ حق بہرِ ہر دیدہ ورے
ناتواناں را بہ رحمت دستگیر　　خستہ جاناں را بہ شفقت غمخورے

حسنِ رویش بہ ز ماہ و آفتاب
خاکِ کویش بہ ز مشک و عنبرے

امی و در علم و حکمت بے نظیر　　زیں چہ باشد حجتے روشن ترے
آں شرابِ معرفت داوش خدا　　کز شعاعش خیرہ شد ہر اخترے

شد عیاں از وے علی الوجہ الاتم
جوہرِ انساں کہ بود آں مضمرے

ختم شد بر نقشِ پاکش ہر کمال　　لاجرم شد ختمِ ہر پیغمبرے
چشمِ من بسیار گردید و ندید　　چشمۂ چوں دینِ او صافی ترے

سالکاں را نیست غیر از وے امام
رہرواں را نیست جز وے رہبرے

نے بہ علمش کس رسید و نے بزور　　در شکستہ کبر و ہر متکبرے
او چہ دارد بہ مدحِ کس نیاز　　مدحِ او خود فخرِ ہر مدحت گرے

ہست او در روضۂ اقدس جلال
در خیال این و آں بالا ترے

اے خدا بر وے سلام ما رساں ہم بہ اخوانش ز ہر پیغمبرے

ہر رسولِ آفتابِ صدق بود ہر رسول بود مہر انورے

اول آدم آخر شاں احمد است

اے خنک آں کس کہ بیند آخرے

روحانیات اور جسمیات

بیشک روح مقدم ہے اور جسم یا بدن اس سے موخر۔ یا پہلا منظر جسم ہے اور اس منظر کا اندازہ روح۔ لیکن یہ کون کہہ سکتا ہے۔ کہ اس مادی دنیا میں کوئی روح بغیر جسم کے بھی مشہود ہو سکتی ہے اور صرف روح ہی روح اس مادی کائنات میں رہ کر کام کر سکتی ہے۔ ہم حشر ثانی یا دوسری دنیا کی بحث نہیں کرتے۔ ہمارا منشا اس کائنات سے ہی ہے۔ جب تک ہم خود بھی جسمانی چولہ میں ہو کر اس دنیا میں نہ رہیں۔ تب تک ہم اس کائنات میں باقی نہیں رہ سکتے۔ دیکھو جب ہمارا جسم اور بدن ہم سے الگ ہو جاتا ہے۔ تو ہم باوجود بالوں اس کائنات میں رہنے کے بھی نابود شمار ہوتے ہیں۔

اس انسانی کائنات کی سرسبزی ابھی صورت میں متصور ہے

جبکہ روح اور جسم دونوں مل کر یا شامل ہو کر کام دیں۔ اگر روح اور جسم شامل ہو کر کام نہ دیں۔ تو پھر یہ صورت باقی نہیں رہ سکتی انسانی انسانی روح کا ظہور بھی بذریعہ جسم اور بدن کے ہوتا ہے۔ بغیر اس کے مشکل ہے اسی طرح دوسری کائنات کی بھی یہی حالت ہو گئی ہے ایک درخت سوائے ایک ظاہری حالت اور بدن کے نہ نشو و نما پا سکتا ہے اور نہ قائم رہ سکتا ہے۔

قدرت اس پر قادر رہی تھی کہ صرف روح ہی سے کام لے۔ لیکن اس کی مشیت نے یہی فیصلہ کیا۔ کہ بدن کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اور صرف اسی کائنات میں نہیں اگلی دنیا میں بھی اللہ کریم ابدان ہی کے ذریعہ حساب کتاب لیگا۔ اور یہ چند تغیرات ایسے ہی قالب وہاں بھی ملیں گے۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ روح کے واسطے ہمیشہ بدن اور جسم کی ضرورت ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو کام نہیں چل سکتا۔ یا قدرت خالی روح سے کام نہیں لینا چاہتی۔

روحانیات ہر حالت میں مقدم ہیں۔ لیکن تمام عبادتیں اور تمام ریاضتیں عموماً جسمانی رنگ میں ہی کیجاتی ہیں۔ اگرچہ مجاہدہ اور مراقبہ میں روح پر بھی بوجھ پڑتا ہے۔ لیکن شروع سے لیکر اخیر تک بدن بھی ایک کوفت اور ریاضت میں رہتا ہے اور بدن بھی

اِس قسم کی ریاضتوں کا مشاق اور مورد ہوتا ہے ۔

عبادتوں اور ریاضتوں میں جو کچھ کیا جاتا ہے ۔ یا جس رنگ میں کیا جاتا ہے یہ سب کچھ ایک معمولی رنگ میں ہوتا ہے ۔ یا ایک طریقہ چند شرائط اور چند قیود کے تحت اگر دوسرے الفاظ میں انہیں رسم یا رسوم کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا ۔ نماز اور روزہ بھی ایک حکم یا ایک رسم ہے ۔ حج اور زکوٰۃ بھی ایک حکم یا ایک رسم ہی ہے غایت درجہ ہم بلحاظ ایک تقدس مذہبی کے یہ کہیں گے کہ ایسی رسوم مذہبی یا شرطی رسوم ہوتی ہیں ۔ اور ایسی رسوم کی فلاسفی مذہبی فلسفہ کے تحت ہوتی ہے اور اس کا مخزن الہام ہوتا ہے ۔ ہمیں خوف ہو کہ شاید بعض جلد باز لوگ ہمیں عبادات کو رسمیات سے نسبت دینے کی بابت متہم کرینگے ۔ شاید ہماری رائے غلط ہی ہو ۔ لیکن آخر عبادت بھی تو کسی نہ کسی طریقہ کے ماتحت ہوتی ہے یا عبادت کا بھی کوئی نہ کوئی طریقہ ہوتا ہے اور ہر طریقہ بجائے خود ایک رسم ہے ۔ اگر یہ کہا جائے کہ رسوم تو موقت ہوتی ہیں ۔ تو میں یہ کہونگا کہ عبادات یا مذہبی مصروفیتیں بھی موقت ہی ہوتی ہیں ۔ کیا ہم دونوں عیدوں اور شب برات کو موقت نہیں کہہ سکتے ۔ کچھ سمجھ لو عبادت اور مذہبی مصروفیتیں بہرحال کوئی نہ کوئی طریقہ رکھتی

ہیں۔ اور ہر طریقہ ایک رسم ہے۔ یا مذہبی رسم سہی اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ جس طرح روح کا قیام بغیر بدن اور جسم کے مشکل ہے یا ارادہ الٰہی کے خلاف! اس طرح عبادات روحانیات کی تکمیل کے لئے بھی کسی نہ کسی قسم کے طریقہ یا رسم کی ضرورت ہے۔ گویا ایسی کیفیات کے واسطے رسوم بھی ایک جسم کا درجہ رکھتی ہیں۔ جب تک ایسا رسمی جسم اور بدن نہ ہو تب تک کوئی روحانی طریقہ یا روحانیت تکمیل پذیر نہیں ہو سکتی اور نہ اس کا ثبات اور قیام متصور ہے +

ہر روحانی مصروفیت کے واسطے ایک طریقہ کی ضرورت ہے۔ اور ہر طریقہ ایک رسم کا حکم رکھتا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی ایسی روحانیت جو ملی رنگ رکھتی ہو بغیر ایک طریقہ یا ایک رسم کے باقی اور زندہ نہیں رہ سکتی +

محض قدرتی رنگ میں عناصر اربعہ وہ کام نہیں دیتے۔ جو کسی حکمت اور جدت کے تحت دے سکتے ہیں۔ مذہبی طریقے اس وقت تک نشوو نما نہیں پا سکتے۔ جب تک انہیں کسی طریقہ یا کسی رسم حسنہ کے تحت نہ رکھا جاوے۔ رسول کریم کی یاد اور رسول کریم کی تذکرانہ زندگی اس صورت میں زندہ رہ سکتی ہے۔ جب اُس کو کسی طریقہ اور کسی رسم حسنہ کے تحت باقی رکھا جاوے +

اب ہم پوچھتے ہیں کہ ایسی رسم کیسی اور کیا ہونی چاہیئے۔ یا یہ کہ ایسا طریقہ کیا ہے۔ اس کے یہی طریقے ہو سکتے ہیں۔

(الف) بذریعہ عمل

(ب) بذریعہ یاد

عمل تو یہ ہے کہ ہم اُن کے اقوال اور اُن کے اخلاق اور اسوۂ حسنہ کے مقتدی ہوں ٭

یاد یہ کہ

اُن کی زندگی کے واقعات کی گھر گھر میں اشاعت ہو اُن کے اخلاق کا ذکر ہر فرد تک پہنچایا جائے۔ ان کی مستند تاریخ اور شہرت حسنہ لکھی جائے۔ اور ہر مسلمان اس سے واقف ہو ٭

اُن کا تذکرہ ہوتا رہے۔

ان پر درود شریف پڑھا جاوے۔

اُن کے اسم گرامی کے نام پر مختلف قومی اور ملی یادگاریں قائم کی جائیں۔ اُن کا اسوہ حسنہ ہمارا طرہ زندگی ہو۔

مولود شریف بھی ایک ذکر یا ایک تذکرہ ہی ہے۔ اور یہ بھی ایک طریقہ حسنہ ہی ہے اور گویا ایک طریقہ ہونے کی صورت میں ایک رسم حسنہ بھی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ مولود شریف کی ایک جلد بد

رسم ہے اور شریعت میں ایک اضافہ ہے تو اس کا جواب یہ ہے ۔ کہ
یاد رسول کریم تو بلا کسی اختلاف کے امت پر لازمی ہے جس طرح
مسلمانوں کا کوئی گھر ذکر خدا اور قرآن مجید سے خالی نہیں رہنا
چاہیئے اسی طرح کوئی مجلس ذکر رسول سے بھی خالی نہیں رہنی چاہیئے
نہ صرف عبادات اور نماز میں ہی یہ ذکر خیر ہو ۔ بلکہ اس کے سوائے بھی اس
کی بنیاد رکھی جائے +

مولود شریف حدود شرعی میں رہ کر منایا جائے ۔

گھر گھر میں ہی نہیں ۔ بلکہ بڑے بڑے مجمعوں میں بھی رسول
کریم کی یاد منائی جایا کرے ۔

کوئی کنبہ کوئی گھر کوئی خاندان کوئی قریہ اور کوئی شہر یاد
رسول سے خالی نہیں رہنا چاہیئے ۔ کسی مہینہ اور کسی سال کی
تخصیص کیا ہمیشہ اسوہ حسنہ رسول کریم کا ذکر خیر ہونا چاہیئے +
ملی زندگی کی یہی علامتیں ہیں ۔ جو قوم اور جو ملت ایسے ملی
نشو نما سے محروم رہتی ہے وہ دنیا میں رہنے کے قابل نہیں ہے ۔

بار بار شاید یہی سوال ہوگا کہ

یہ ایک بدعت ہے یہ ایک زاید رسم ہے ۔

اگر رسول کا نام لینا ایک بدعت اور اگر محمد صلعم کی یاد ایک

نا ایر رسم ہے تو پھر ہم نہیں جانتا کہ نیکی اور سعادت کیا ہے۔ جو رسول اپنے تئیں عبدہٗ و رسولہٗ کہتا ہے۔ جس کا پہلا حصہ

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے

کیا اُس کی امت کبھی بت پرست اور مشرک ہو سکتی ہو۔ حاشا و کلا ایسی یادگاروں کو محض اس خیال سے کہ لوگوں کے عقاید پر اس کا بُرا اثر نہ پڑے چھوڑ دینا ایک تنگدلی ہے۔ اگر رسول کی یاد اور رسول کی عظمت یہی اثر رکھتی ہے اور اس کا نعوذ باللہ یہی نتیجہ ہے تو ہم نہیں جانتا کہ اس سے زیادہ تر اور کون سی بے ادبی اس عظیم الحرمت انسان کی شان میں ہو گی ہمارے رسول کا نام تو نام ہی ایسا ہو کہ جہاں آتا ہو شرک بدعت کی چوکڑی اور شیرازہ اکھڑ کر رہتا ہے۔ منشا یہ نہیں کہ خدانخواستہ لوگ رسول کی پوجا کریں یا انہیں قابل پرستش بنائیں بلکہ یہ کہ ہر دم عملاً اُن کی یاد رہے۔ ان کے اخلاق ان کے اسوہ حسنہ کے لوگ مقتدی ہوں۔ ان کی پاک زندگی ہر دم ہمارے سامنے رہے۔ ہم مسلمان ہیں اور اس مسلمانی کے تین عنصر ہیں۔ خدا۔ رسول و قرآن۔ رسول کے مقابلہ میں یہ لازمی ہے کہ ہم اس کی بے لاگ محبت رکھکر اس کے واسطے غیرت مند بھی ہوں۔ ہم قصداً و بار ہیں اس واسطے تو گھر گئے ہیں۔ کہ رسول ہی کا اسوہ حسنہ ہم سے رفتہ رفتہ چھوٹ گیا اور ہم دوسری بکھری راہوں پر پڑ گئے۔ مولود شریف پر کیا موقوف ہو ہر گھر اور کنبہ میں رسول کریم کی پاک زندگی

کے حالات اور کوائف کا روزمرہ ذکر ہونا چاہئے۔ وہ قوم کبھی ترقی نہیں کرسکتی۔ وہ ملت کبھی نشو و نما نہیں پا سکتی جو اپنی ملت اور قوم کے مشاہیر سے نا آشنا ہے! اور پھر ایک ایسی زندگی سے جو عالم و عالمیان کی زندگیوں سے اکمل اور افضل ہے۔ ذرا سوچو تو سہی خود خدائے تعالےٰ فرماتے ہیں۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

کیا یہ نص ثابت نہیں کر رہی کہ بغیر محبت رسول کریم کے ہم خدا کو بھی نہیں پا سکتے رسول کریم منزل خدائی کے بدرقہ ہیں۔ جب تک ان کا دامن ہاتھ میں نہ ہو جب تک یہ رہبر نہ ہوں تب تک ہم خدا کو پا ہی کس طرح سکتے ہیں۔

نور شاں یک عالمے را در گرفت — تو ہنوز اے کور در شور و شرے

من اگر مے داشتم بال و پرے — مے پریدم سوئے کوئے او مدام

ہر کہ بے رہ زد قدم در بحر دیں

گرد در اول قدم گم معبرے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسوۂ حسنۂ رسول

اسوۂ حسنہ رسول کی ایک قسم نہیں مختلف قسمیں ہو سکتی ہیں مثلاً

(۱) عملی اسوہ حسنہ۔

(۲) قومی اسوہ حسنہ

(۳) اخلاقی اسوہ حسنہ

(۴) ملی اسوہ حسنہ

(۵) معادی اسوہ حسنہ

جب کوئی رسول کسی قوم میں مبعوث پذیر ہوتا ہے تو ان پر پانچ شقوق ہیں اس کا اسوہ زیر بحث آجاتا ہے۔ اگر وہ ایک طرف ایک کتاب یا الہام لاتا ہے تو ساتھ ہی دیگر امور میں بھی اس کی زندگی ایک نمونہ ہوتی ہے اگر کوئی نبی ان اسوہ ہر پانچ میں کامل اور امام نہ ہو تو ایسے نبی کو ایک اولوالعزم نبی نہیں کہا جا سکتا۔ چونکہ ہمارے رسول کریم ایک خاتم النبیین

نبی تھے اس واسطے اُن کی پاک زندگی ان ہر پانچ اسوہ میں ایک بے نظیر اور کامل زندگی شمار ہوتی ہے۔

کسی شخص کی مقدس زندگی جس نے خدا کے حکم اور فرمان سے ایک عالم گم گشتہ کو راہ راست پر چلایا۔ وہ عظیم الشان مربی اور نفع رساں بنی جو بھولی بھٹکی خلقت کو جادہ مستقیم پر لایا وہ محسن اور صاحب احسان کہ جس نے مخلوق کو آفت شرک سے چھوڑایا وہ نور اور نور افشاں کہ جس کے ذریعہ شرکت کی ظلمت دور ہو کر توحید کی روشنی چار دانگ عالم میں پھیلی۔ وہ مہربان جس کی بدولت کل انسانی جماعتوں میں یہ اعلان کیا گیا۔

تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم

وہ کامل موحد اور بحر عرفان جس نے عبودیت قائم رکھکر توحید کا پھریرا ساری دنیا میں اڑایا۔ وہ معجزہ قدرت رحمان کہ جو امی ہو کر سب علوم حقانی پر غالب آیا اور جس نے شرک و بدعت کی برائیوں اور آفات سے عالم عالمیان کو بچایا۔

رسول کریم کی زندگی کا ہر ایک پہلو پوشیدہ اور اوجھل نہیں رہا۔ ہر پانچوں پہلو نہ صرف اپنے لوگوں کے سامنے ہی تھے۔ بلکہ اُن لوگوں کی نظروں میں بھی جو نہ صرف مذہبی پہلو ہی سے رسول کریم کے ساتھ کاوش رکھتے تھے بلکہ دیگر وجوہ سے بھی رسول کریم کی زندگی کا سب سے اعلیٰ اور اہم یہ پہلو تھا

کہ باوجود اس قدر کاوشوں اور عداوتوں کے بھی ان کا دامن امانت کبھی آلودہ نہیں ہوا۔ ان کی سیرت اور ان کا کیرکٹر شروع سے لیکر اخیر تک ایسا محفوظ رہا۔ کہ بڑے بڑے دشمنوں کو بھی نکتہ چینی کا صحیح پہلو سے کبھی موقعہ نہ ملا۔

اخلاقی جہت سے ان کی پوزیشن دنیا کی بڑی بڑی فلاسفیوں کا نچوڑ ہے۔ ملی رنگ میں رسول کریم کی پوزیشن اور وجاہت وہ تقدس اور وہ حرمت وتکریم رکھتی ہے کہ جب تک اس پر جمہور مسلمان چلتے رہے تب تک ان کے ساتھ عزت اور احترام بھی رہا۔ جب سے اس کا خاتمہ ہوا تب سے مسلمانوں کا بھی خاتمہ ہونے لگا۔

سماوی اور ریاضی پہلو سے حضور کی شان ساری دنیا کے انبیا علیہم السلام سے بڑھ چڑھ کر اور بالاتر و درخشاں ہے جس نے حضور مقبول کی زندگی پر سرسری نظر بھی کی ہے وہ بھی کہہ اٹھیگا۔ کہ سماوی رنگت میں یا سماویات میں ان کی مقدس زندگی گویا وقف تھی۔ باوجودکہ ہولے اکرم کا یہ کرم اور یہ فضل تھا مگر حضور انور جس مسکنت اور جس عجز و نیاز سے زمین عبودیت پہ جبین نیاز رکھتے تھے۔ وہ صرف انہیں کا حصہ مجبرہ تھا۔ ان کی شان اور خدا پرستی کا ہی صدقہ ہے کہ آج دنیا کا ایک بڑا حصہ مخلوق پرستی سے نکل کر خدا پرستی کا دلدادہ ہو رہا ہے۔

آں حضرت باعتبار ایک شارع کے

اگرچہ ہمارے رسول مقبول کبھی درس گاہ کے تعلیم یافتہ نہیں تھے امی تھے مگر درس ربی سے انہیں جس رنگ میں تعلیم ہو چکی تھی۔ وہ ایک ایسی جامع تعلیم تھی کہ جس کے مقابلہ میں بڑے بڑے فلاسفروں اور حکیموں کی تعلیم بھی کوئی قیمت نہیں رکھتی۔ قرآن مجید تو خدا کا کلام ہے یہ تو صرف رسول کریم پر نازل ہوتا۔ اس کے سوا رسول کریم نے اپنی زندگی میں جو کچھ کہا اور جو کچھ تعلیم دی وہ ایک ایسی جامع اور پاک تعلیم ہے کہ جو اپنے اندر بہت کچھ خوبیاں اور لطائف رکھتی ہے +

اور لطف یہ ہے کہ ایسی تعلیم بہ مطابقت قرآن مجید قریبًا ہر ایک شعبہ میں ہے۔ اخلاق۔ تمدن۔ تدبیر منزل علم المعیشت حسن معاملات وغیرہ وغیرہ شعبوں میں اس کی تقسیم کی جا سکتی ہے۔ آں حضرت کی ایسی تعلیم کا مخزن احادیث ہیں +

احادیث صحیحہ

احادیث کیا ہیں

وہ مختلف اقوال اور مختلف بیانات جو حضور مقبول نے موقعہ بموقعہ
خود بخود یا بعض سوالات کے پیش ہونے پر بیان فرمائے ہیں ہم اس
وقت یہ بحث نہیں کرینگے کہ احادیث نبوی کی مجموعی تعداد کس قدر ہے
اور اُن میں سے کس قدر حدیث صحیح ہیں اور کس قدر ایسی ہیں جن کی نسبت
مختلف پہلوؤں سے بحث کی جاسکتی ہے ۔

ہم صرف یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ رسول کریم کی احادیث ہیں یا نہیں
نہیں کہا جاسکتا کہ رسول کریم کی احادیث نہیں ہیں ۔ دوسرے الفاظ میں یہ نہیں کہا
جاسکتا کہ رسول کریم جب تک اس دنیا میں زندہ رہے ۔ انہوں نے باوجود
اس کے کہ ان کی زندگی میں صدہا معاملات اور سوالات پیش بھی آتے
رہے کبھی نہ تو کچھ فرمایا اور نہ کبھی کچھ کہا تھا تیئیس سال تک یا بعثت
سے بعد کا کل زمانہ خاموش ہی رہے نہ اُن کے آپس کی مسائل کی حیثیت
میں آیا اور نہ اس عرصہ تئیس سال کے دوران کوئی مسئلہ پیش ہوا اور نہ
انہیں کبھی کسی اجتہاد کی ضرورت پڑی ۔

اگر ہم یہ تمام باتیں مان لیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ رسول کریم کل
عمر خاموش ہی رہے اور سوائے اس کے اُن کی کوئی اور ڈیوٹی نہ تھی
کہ جوں جوں قرآن مجید نازل ہوتا گیا وہ وہ لوگوں کو سناتے رہے
اور اگر کبھی کسی نفر نے کوئی سوال کیا اور مسئلہ ٹھہرا تو رسول مقبول

باوجود رسول ہونے کے خاموش ہی رہے۔ جو جو مشکلات معاشی اور معاشرتی پیش آتی رہیں نہ تو ان کی بابت کسی کو کچھ کہا اور نہ کسی کے سوال کا کچھ جواب دیا۔ اگر فی الواقعہ یہی حقیقت تھی تو پھر میں نہیں کہہ سکتا کہ کس طرح انہیں ایک جامع تشریعی رسول اور خاتم النبیین کہا جائیگا۔ اور کس طرح یہ یقین ہو کہ

اُن کے ذمہ نبوت پر کچھ اور فرائض بھی تھے اور یہ کہ وہ صرف قرآن مجید ہی سنا کر خاموش ہو گئے۔ عمر بھر نہ تو کچھ عملی رنگ میں امت کے سامنے پیش کیا اور فعلی اور قولی رنگ میں کوئی نمونہ دکھایا۔ اگر فی الواقعہ یہی رائے صحیح اور درست ہے تو پھر کسی اور بحث کی ضرورت ہی نہیں رہتی ہاں یہ کہنا پڑیگا کہ

اس قدر طومار جو آحادیث کا پایا جاتا ہے نعوذ باللہ یہ کُلّھُم اور ان کے افترا کا نمونہ ہے ان میں سے ایک حدیث بھی رسول سے مروی نہیں ہے۔ اور نعوذ باللہ شروع ہی سے مسلمانوں میں کذب و زور اور وضعیت کا بازار اس قدر گرم رہا ہے کہ اس کی نظیر اور کہیں نہیں ملتی +

اور اگر یہ صحیح نہیں تو پھر کہنا ہی نہیں بلکہ ماننا بھی پڑیگا۔ کہ آنحضرت قرآن مجید کے سوائے عملی فعلی اور قولی رنگ میں بھی امت کو بہت کچھ کہتے سنتے رہے۔ اور بہت سے مذہبی۔ اخلاقی سوشل معاملات اور

سوالات اُن کے حضور میں پیش ہوئے اور انہوں نے بہ حیثیت ایک نبی اور ہادی ہونے کے بہت کچھ بتایا سمجھایا۔ بہت کچھ کہا سنا بہت سے امور سے منع کیا اور بہت امور پر رغبت بھی دلائی۔ بہت سے امور کی تشریح کی بہت سی باتوں پر روشنی ڈالی۔

قرآن مجید کے مشکل اور ضروری مقامات کی تشریح بھی کی عملی رنگ میں بھی بہت کچھ کر کے دکھایا۔

اس سب مجموعہ کا نام رفتہ رفتہ اقوال رسول یا حدیث رسول پڑتا گیا۔ چونکہ دربار نبوت میں صدہا ہی نہیں بلکہ ہزاروں لوگ آتے جاتے تھے اور ان میں سے بہت سے لوگ ایسے بھی تھے جن کی طرف سے بہت سے سوالات اور پیچیدگیاں پیش ہوتی تھیں اس واسطے رسول مقبول مختلف صورتوں میں کچھ نہ کچھ جواب دیتے ہی رہے۔

یا تو ہم کل موجودہ مجموعہ احادیث سے نعوذ باللہ انکار کریں اور یا تسلیم کریں کہ ان میں سے بہت سا حصہ آنحضرت کے صحیح اور مستند مقولات کا بھی ہے اگر ہم یہ تسلیم کرتے ہیں اور ہمیں ضرور تسلیم کرنا پڑیگا تو پھر ہمیں باعتبار ایک قولی اسوۂ حسنہ کے ان احادیث کی خوبی و شوق اور احترام کا بھی معترف ہونا پڑیگا اور پھر یہ سوال ایک آسانی سے حل ہو جائیگا

احادیث نبوی یا احادیث صحیحہ کہاں تک عمل کے قابل ھیں۔

اور مسلمانوں کے واسطے اون کی باعتبار اسوہ حسنہ کہاں تک ضرورت ہے اگر احادیث ثابت ہیں تو اون پر اِس شرط سے کہ وہ قرآن مجید کے مخالف نہ ہوں عمل لازمی ہے اور مسلمانوں کے واسطے اخلاقی سوشیل اور تمدنی و شرعی رنگ میں ان کی بھی ضرورت ہے دوسرے الفاظ میں یہہ کہ اگر ہمیں رسول اور نبی ہاں محمد صلعم کی ضرورت ہے تو ان کے کلام اور احادیث اُن کے قول اور فعل کی بھی ضرورت ہے اور اُن پر بھی ایمان لانا لازمی ہے۔ اور اگر نعوذ باللہ نبی یا محمد صلعم کی صرف یہی پوزیشن تھی کہ وہ قرآن مجید سنا کر خاموش ہو گئے۔ اِس سے زیادہ اُن کا تعلق ہم سے کچھ نہ رہا اور ایک ڈاکیہ کی طرح ڈاک دیکر چلے گئے۔ تو پھر اُن کی کوئی ضرورت نہیں ہمارے واسطے صرف قرآن مجید بھی بغیر اقتدا کسی نبی کے کافی ہے اور قرآن مجید بھی ہمیں بالفاظ دیگر یہی سکھاتا ہے اور اس کا ماننا بھی ایمان ہے

ایک بڑا بول

یہ وہ بڑا بول یا وہ بے ادبی یا سوئے ظنی ہے جس کی اجازت نہ تو قرآن مجید دیتا ہے اور نہ فرائض رسالت اور ذمہ داری ہائے نبوت اس

موجود ہیں۔ یہ تو وہ ہیں اور وہ خیالات ہیں جو نبوت کی عظمت اور وسعت اور ذمہ داری کو کمزور ہی نہیں کرتے۔ بلکہ کچھ باقی ہی نہیں چھوڑتے دوسرے الفاظ میں یہ نعوذ باللہ رسول خدا ساری عمر خاموش ہی رہے نہ عملاً کوئی ہدایت کی اور نہ قولاً اور فعلاً کوئی نمونہ یا اسوہ حسنہ دکھایا گیا کبھی اور نبی کا بھی ایسا نصیب العین رہا ہے۔ کیا قرآن کی آیتیں نازل ہو کر پھر خدائی دربار سے حضرت کا تعلق کٹ گیا اور کیا پھر خدائے کریم اُن سے ہم کلام نہ ہوا۔ اور اُن کی رسالت کی صرف اتنی قدر وسعت تھی۔

کیا یہ خیال اور یہ رائے رسول کریم کی عظمت اور ختم نبوت کی وسعت کو قائم رکھتی ہے۔ اور کیا ہم مسلمان ہو کر اس پر قناعت اور فخر کر سکتے ہیں کیا دربارِ صمدی میں ایسے عظیم الشان انسان اور جامع کمالات حقانی کی یہی قدر و منزلت تھی۔ اور اس کی نبوت کا دامن صرف اسی قدر بعض تھا اور کیا اسی پر اس کی شان عظمیٰ میں یہ کہا گیا ہے

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ

اندازہ تعلیمات

ہر شخص اور ہر نبی کی تعلیمات کی قیمت کا اندازہ اس کے افعال

اور اقوال سے لگایا جاسکتا ہے اور اس سے بڑھ کر اس کتاب سے جو اس پر نازل ہوئی ہو۔ ہم احادیث اس ثبوت میں پیش نہیں کرتے۔ اس میں ایک قسم کی طوالت ہو۔ قرآن مجید ہی پیش کرتے ہیں

اور دکھاتے ہیں کہ قرآن مجید کہاں تک اور کس رنگ میں ان حضرت کی عظمت اور نبوت اور اس کی وسعت کا اعلان کرتا ہے۔ اور رسول کی اطاعت اور غاشیہ برداری کی تعریف اس کے نقطۂ خیال سے کیا اور کہاں تک ہو۔ جو لوگ احادیث نبوی کی قیمت کرنے یا قیمت رگانے میں تنگ دلی اور کنجوسی سے کام لیتے ہیں۔ ان کا یہ فرض ہے کہ ان آیات پر انصاف اور ٹھنڈے دل سے غور کریں اور وزن کریں کہ خود خدائے قدیر کا کیا منشا ہے اور ان سے نبوت احمدیہ صلعم کی وسعت اور قیمت کیا کچھ تشخیص ہوتی ہے ‏۔

آیات

ایسی آیات اور نصوص اگرچہ بہت سی ہیں کہ جو اس بحث میں لائی جاسکتی ہیں لیکن ہم چند صریحی آیات پر ہی کفایت کرینگے۔ ان ہی آیات سے ناظرین اور قارئین یہ قیاس کرسکتے ہیں کہ قرآنی نقطۂ خیال سے رسول کریم کا کیا درجہ ہے اور کہاں تک ان کی عظمت اور احترام

نبوت کیا گیا ہے +

اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا ط

ترجمہ - ہم نے تجھے ایک حق کے ساتھ خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بھیجا ہے -

اس آیت کریمہ میں دو لفظ لائے گئے ہیں -

بشیر اور نذیر

یہ دونوں لفظ اپنے اپنے رنگ میں ایک جامعیت اور وسعت رکھتے ہیں - ان کا اطلاق ان احکام پر بھی ہو سکتا ہے - جو قرآن مجید میں نازل ہوئے ہیں اور ان احکام و ہدایات پر بھی جو رسول کریم نے احادیث میں وقتاً فوقتاً بیان کئے ہیں - یہ کہنا کہ بشیر اور نذیر ہونا صرف قرآنی الہام کی صورت میں ہی محدود ہے ایک تنگ خیالی ہے - قرآن کو چھوڑ کر کسی دوسرے رنگ میں بھی خاتم النبین بشیر اور نذیر ہو سکتے ہیں اور وہ طریق قرآن مجید سے جداگانہ نہیں ہوتا - بلکہ اس کا ظل اور اس کا نچوڑ کیا احادیث نبوی میں بشارتیں نہیں دی گئی ہیں اور لوگوں یا امت کو ڈرایا نہیں گیا - آں حضرت دونوں رنگ میں بشیر اور نذیر ہیں اور اگر کوئی شخص نہ مانے تو مہربانی سے بتا دے کہ کہاں قرآن مجید میں یہ کہا گیا ہے کہ آنحضرت رسول کریم سوائے

قرآن مجید کے خود کچھ نہیں کہینگے۔ یا کوئی ہدایت نہیں دینگے۔
یہ تو کہا گیا کہ

وَلَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ؕ

لیکن یہیں کہا گیا کہ اے رسول تو ہماری آیات کے سوائے کچھ بھی نہیں سنا
سکتا۔ نہ تو قرآن مجید کے مضامین میں تدبر اور تفقہ کر سکتا ہے
اور نہ کوئی تفسیر اور اجتہاد کر سکتا ہے۔ اس آیت میں کہا گیا
ہے کہ تجھے بالحق بھیجا گیا ہے۔ اس سے ثابت ہو کہ رسول کریم جو
کچھ کہیں گے وہ عین حق ہوگا۔ جب رسول مقبول اپنی زندگی میں
امت کو ہدایات دیتے رہے اور ان کی مشکلات کا حل کرتے رہے
اور اس سے کسی حالت میں بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ تو ثابت
ہے کہ جو کچھ وہ کہتے رہے چاہے کسی صورت میں ہی کہتے رہے
حق ہی کہتے رہے۔ جب ان کا کہنا حق کے سوائے اور کچھ نہ
تھا۔ تو پھر ان کے اقوال یعنے احادیث کا نہ ماننا یا ان میں
خواہ مخواہ نفی نکالنا اس آیت کی تکذیب ہے۔

(۴) كَمَا اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ
وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ

ترجمہ۔ ہم نے تم میں سے ہی پیغمبر تم میں بھیجا۔ جو ہماری آیتیں تمہیں

سناتا ہے اور پاک کرتا ہے تمکو اور سکھاتا ہے تم کو کتاب اور حکمت اور سکھاتا ہے تم کو جو کچھ کہ تم نہیں جانتے تھے۔

اس آیت میں پانچ باتیں آئی ہیں پانچوں قابلِ غور ہیں۔

(الف) قرآن کا پڑھنا یا سنانا۔

(ب) پاک کرنا یا تزکیہ۔

(ج) کتاب کا سکھانا۔

(د) حکمت سکھانا

(س) وہ باتیں سکھائیں جو لوگ جانتے نہ تھے۔

قرآن اور کتاب کا سکھانا یا پڑھانا تو قرآن کے متعلق ہوا۔ تزکیہ یا پاک اور حکمت کی باتیں سکھانا اور اُن باتوں اور ان خبروں سے آگاہ کرنا جو لوگ نہیں جانتے تھے۔ قرآن مجید سے زاید باتیں اور زاید اشارات نہ سہی اُن کی تشریح اور تصریح ہی سہی۔ اس سے ناظرین سوچ سکتے ہیں کہ رسول کریم کے ذمہ ہمت پر سوائے تبلیغ کے اور بھی بہت سے فرائض تھے۔

رسول کریم نے عمر بھر جو کچھ سکھایا۔ جو کچھ کہا سنا جو کچھ تزکیہ کیا جو حکمت کی باتیں ان کے پاک منہ سے نکلیں جو کچھ عقدے کھولے وہ سب حق ہیں اور سب کے سب قابلِ اخذ اور معتبر حادیث میں اپنے امور

کا بالصراحت ذکر کیا گیا ہے۔ اس آیت کی تعمیل میں مسلمانوں پر واجب ہے کہ احادیث صحیحہ پر ایمان لائیں اور حتی الامکان ان پر عمل کریں

(۳) قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

ترجمہ۔ کہو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری محبت اور میری پیروی کرو تاکہ تمہیں خدا بھی چاہے

اس آیت میں رسول کی محبت رسول کی پیروی شرط ہے۔ اللہ کریم کی محبت اور اللہ کی پیروی کی کیفیت اس سے ظاہر ہے۔ جو شخص سوائے اقتدا اور پیروی رسول کریم کے اللہ کو مانتا ہے اس کا ایسا ماننا مجرا نہیں مل سکتا۔ رسول کو مان کر خدا ماننا چاہیئے۔ دیکھو کیسی قدر گراں اور وسیع شرط ہے۔ کیا ایسے رسول کے اقوال کا صحیح اور مشیت ایزدی میں نہ ماننا اور ان کا ترک کر دینا خدائے قدیر کی خوشنودی کا باعث ہو سکتا ہے۔ مولائے کریم تو یہ فرمائے اور ہم اپنے غلط اجتہاد کے تحت یہ کہیں کہ۔

احادیث نبوی کی تصدیق اور عمل کی کوئی ضرورت نہیں اور ہمارے واسطے صرف قرآن مجید ہی کافی ہے۔ اللہ تو اس آیت کریمہ میں فرماتے ہیں میں تمہارے واسطے بغیر تصدیق اور اقتداء محمد صلعم کافی نہیں ہوں ۔

اور ہم اس کے اُلٹ یہ کہہ جاتے ہیں کہ رسول کی تشریح اقوال کو نہ مان کر بھی قرآن مجید ہمارے واسطے کافی ہے یا تو اللہ کریم کا حکم درست ہوا اور یا ہمارا ایسا اجتہاد +

(۴) وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ؕ

ترجمہ۔ اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے اس آیت میں بھی خدائی رحم مشروط ہے۔ فرمانبرداری اور اطاعت رسول مقبول سے جو رسول کی اطاعت نہیں کریگا اس پر خدا کا رحم بھی نہیں ہوگا +

اطاعت صرف یہی نہیں کہ ہم رسول کریم کی نبوت کا اعتراف کر کے خاموش رہیں بلکہ منشا یہ ہے کہ ایسا اعتراف کر کے ان کے اقوال اور ان کے افعال پر بھی عمل کریں اور ان کی اجتہادی یا تعلیمی ہدایات سے منحرف نہ ہوں۔ خدائے قدیر تو یہ فرماتے ہیں کہ تم پر سوائے رسول کی اطاعت کے رحم ہو ہی نہیں سکتا اور ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ

صحیح احادیث چھوڑ کر ہمیں صرف قرآن مجید ہی کافی ہے جب ہم یہ کہتے ہیں کہ رسول کی احادیث صحیحہ کوئی قیمت اور کوئی نصب العین نہیں رکھتی ہیں تو گویا بالفاظ دیگر یہ کہنا ہے کہ نعوذ باللہ رسول بالکل

ساکت اور معقل تھے۔

(۵) فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ؕ

اس آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ اگر تمہارا کسی بات میں جھگڑا اور تنازعہ ہو تو کلام خدائی کے مطابق اس کا فیصلہ کرو اور یا اپنے رسول کی جانب رجوع لاؤ۔ رسول کی جانب رجوع لانے کا سوائے اس کے اور کیا مفہوم رکھ سکتا ہے کہ رسول تمہارا فیصلہ کرے یا رسول اس میں کوئی رائے دیوے رسول کس طرح رائے دیتا ہے یا تو قرآنی نصوص سے کوئی استنباط اور استدلال کرے اور قرآن کے مطابق حکم دیوے اور یا خود اپنے تفقہ اور تدبیر سے بہ تطبیق نصوص قرآنیہ و الہام کوئی راہ نکالے۔ کوئی سی صورت ہو ثابت ہے کہ رسول اپنے رنگ میں کچھ کہے یہ کیا ہوگا وہی استدلال رسول اجتہاد رسول اور اقوال رسول کیا جس وقت حضرت کے حضور میں کوئی امتی کوئی سوال کرتا تھا۔ یا کسی کا کوئی جھگڑا آتا تھا۔ تو اس وقت رسول خاموش رہتے تھے۔ ایسے عقل تو مانتی نہیں ۔ اور نہ یہ منصب رسالت کے موزون ہے ہو نشتر بھی رسول اور ایک ہادی اور ایسے امور میں خاموش رہے۔ آیت عَبَسَ وَتَوَلّٰى ؕ پر غور کرنے سے ثابت ہے کہ آنحضرت

کا پاک زندگی اس بات کی رہین تھی کہ جو کوئی آوے جو کوئی پوچھے
اس کا جواب دیں اور اس کی تسلی کریں۔ اور کسی سے بھی منہ نہ پھیریں۔
صرف ایک نابینا کے مقابلہ میں تھوڑی سی اتفاقیہ عدم توجہی کے
ہونے سے بارگاہ الٰہی سے یاد دلایا گیا ہے۔ توجہ دلانی پڑی۔
کیا یہ خیال بھی ہو سکتا ہے کہ رسول کریم کی زندگی کا کوئی
وقت بھی تعلیم اور تذکیر و ہدایات سے خالی گذرتا ہو اور وہ اپنی امت کے
لوگوں کے سوالات اور لوگوں استفسارات کا کچھ بھی جواب دیتے ہوں
فرایض شرع اور رسالت لیکر مبعوث ہوں اور ہوں کل دنیا کیواسطے
رحمت للعالمین اور سوائے اس کے کہ اکرہ کر آیات سنا چھوڑیں
اور کچھ بھی نہ کہیں ع

ایں خیال است و محال است و جنوں

ایک طرف تو اللہ میاں یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ لوگ رسول کی جانب رجوع
لائیں اور حضرت رسول کریم قرآن سے لوگوں کی تسلی کریں اور اپنے
اجتہاد سے بھی جو منشائے الٰہی کے مخالف نہ ہو تعلیم دیں اور دوسری
طرف ہم یہ کہیں کہ رسول نے کچھ بھی نہیں کہا اور نہ اس کی ضرورت تھی۔

اس آیت میں دو لفظ ہیں:-

اِلَی اللّٰہِ اور اِلَی الرَّسُوْلِ

اِلَی اللہ سے تو یہ مراد ہے کہ قرآن مجید اور الہام یا دعا کی امداد سے جواب دیا جائے یا فیصلہ کیا جائے اور اِلَی الرسول سے یہ مراد ہے کہ رسول بھی اجتہاد کر کے جواب دیوے یا فیصلہ کرے۔ بالفاظ دیگران دونوں صورتوں کا نام سوائے کتاب اللہ اور قال الرسول کے اور کیا کچھ ہو سکتا ہے۔ کتاب اللہ قرآن مجید ہے اور قال الرسول رسول کے اقوال یا احادیث میں ایسے الرسول کے تحت اور بھی صورتیں آ سکتی ہیں۔

تدبر فی کتاب اللہ۔

اجتہاد رسول مطابق قرآن مجید و کلمہ الٰہی۔

تعجب ہے کہ رسول کے بعد تو صدہا لوگ قرآن مجید کے مضامین میں تفکر اور تدبر کر کے ہزاروں قسم کی اجتہادی باریکیاں نکالتے اور قرآن مجید کی خوبیوں حکمتوں اور نکات کا اظہار کرتے یا کر سکتے ہیں اور وہ ذات بابرکات جس پہ قرآن مجید نازل ہوا تھا کوئی قیاس اور اجتہاد نہ کر سکے حالانکہ اس محترم ذات کی بابت یہ بھی کہا گیا ہو

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی

ایک سو سال کے بعد کا مولوی تو قرآن مجید کی تفسیر کر کے بیسیوں نکات نکال کر کلیات قایم کر سکے اور اس کے لیے اقوال یا ایسے اجتہادات تو امت رسول پہ کوئی حق رکھتے ہوں اور آن کی

تعظیم واجب ہو اور رسول کے نکات اور رسول کے اجتہادات کوئی بھی قیمت نہ رکھیں + ؟

بریں عقل و دانش بباید گریست "

(۶) مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ

ترجمہ۔ جو کوئی اطاعت کرے رسول کی پس اس نے کہا مانا اللہ کا۔

اطاعت کی دو قسمیں ہیں +

(الف) اطاعت فی الافعال۔

(ب) اطاعت فی الاقوال۔

اقوال میں تو یہ ایک اطاعت ہوئی کہ

ہم نے رسول کے کہنے پر قرآن مجید کو منزل من اللہ مانا اور الہامی کتاب اس کی تصدیق کی اور دوسری یہ کہ رسول نے قرآن کے سوائے اور بھی جو کچھ کہا اس کی تائید اور تصدیق کی اور افعال میں یہ کہ جو نمونہ ہمیں ہمارے رسول نے دکھایا اس کی پیروی کی اور اس پر صاد کیا +

یہ ثابت ہو کہ آنحضرت رسول کریم نے اپنی عمر میں بہت سی باتیں ہمیں سکھائیں اور ہماری بہت سی گتھیوں کو سلجھایا اور بہت سے عقدے حل کئے۔ اس سارے مصالحہ کا نام دوسرے الفاظ میں اقوال

رسول اور احادیث صحیحہ سے۔

تعجب ہے کہ ہم رسول مان کر بھی ان باتوں کو نہیں مانتے یا ان کی ضرورت نہیں سمجھتے کیا ہماری ایسی ادہوری اطاعت مولا کریم کی خوشنودی کا ڈبہاوا ہو سکتی ہے۔ سیرت رسول اور اسوہ رسول کے تو ہم کسی نہ کسی رنگ میں قائل ہیں لیکن جب احادیث کا ذکر آتا ہے تو رہ جاتے ہیں۔

(۷) وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى الخ

اس آیت میں یہ جتایا گیا ہے کہ جو کوئی خلاف رسول کے کریگا بعد ازاں کہ اس پہ ہدایت بھی ظاہر ہو چکی ہو تو اس کی سزا دوزخ ہوگی۔

رسول کریم کی بدولت ہمیں کون کون سی دولت ملی۔ اور ہم پہ کیا کچھ ظاہر ہوا۔

(الف) دین اسلام۔

(ب) نزول قرآن حمید

(ج) صداقت اسلام

(د) صداقت افعال نبوت

(ہ) صداقت اقوال نبوت

(۷) صداقت پر اپنا ثبوت۔

یہی باتیں ہیں جو ہمیں رسول کریم سے ملی ہیں اور یہی امور ہیں جو ہم تک بہ مختلف پیرایہ پہونچے ہیں۔ یہ جدا بات ہو کہ ہم ان سے انکار اور اعتراض کریں اگر ہم ان سے منحرف ہوں اور منہ موڑیں تو ہم اس آیت کی وعید کے مستوجب ہیں۔

(۸) يَاأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ الخ

اس آیت میں فرمایا گیا ہو کہ رسول تمہارے ساتھ ایک حق کے ساتھ آیا ہے۔

اگر حق سے یہ مراد ہے کہ

رسول باعتبار رسالت اور باعتبار نزول قرآن مجید اور باعتبار لانے دین اسلام کے حق پر تھا تو اس کے ساتھ ہی یہ بھی ماننا پڑیگا کہ دیگر امور میں بھی رسول حق پر تھا کیا جو کچھ رسول نے کسی اور رنگ میں کہا اور سنا وہ حق نہیں ہو۔ شاید ہی کوئی مسلمان ایسا خیال کرے ہمارے خیال میں تو حضرت نے ساری اخلاقی اور مذہبی رنگ میں جو کچھ کہا اور سنا وہ عین حق تھا۔

اور ہم اس سے منحرف ہو ہی نہیں سکتے۔ کیا جو کچھ رسول نے ہمیں عمر بھر کہا سنا نعوذ باللہ دایرہ حق سے باہر تھا۔ اور کیا رسول کے

سب اقوال اور افعال پایہ صداقت سے دور ہیں حاشا وکلا +

يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ ۙ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

ترجمہ - حکم کرتا ہے رسول ان کو ساتھ بھلائی کے اور منع کرتا ہے ان کو معقول چیز سے اور حصول کرتا ہے واسطے ان کے پاکیزہ چیزیں اور حرام کرتا ہے ناپاک چیزیں اور اتار رکھتا ہے ان سے ان کے بوجھ اور طوق جو تھے اوپر ان کے پس جو لوگ کہ ایمان لائے ساتھ اس کے اور قوت دی اس کو اور مدد کی اس کی اور پیروی کی اس نور کی کہ اتارا گیا ہے ساتھ اس کے یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے -

قارئین - مہربانی کر کے بار بار یہ آیت پڑھیں اس میں رسول کریم کی ذمہ واریاں جو بیان کی گئی ہیں وہ ایک خوبی اور وضاحت کے ساتھ ثابت کرتی ہیں کہ کن کن امور کی تکمیل اس ذات ستودہ صفات کے ذمہ ہمت پر رکھی گئی تھی - حرام و حلال کی تفصیل مقبولات کی تشریح ماکولات و مشروبات کی تشریح اخلاق کی اخلاق کی تعلیم اور قرآنی نقطہ خیال سے ان کی تعبیر رسول پر لازمی

تھی۔ آیات قرآنی کے استدلال کی صورت میں جو کچھ رسول مقبول فرماتے تھے وہ سب کچھ کیا تھا۔ وہی اقوال اور وہی افعال جو بالفاظ دیگر احادیث صحیحہ اور اسوہ حسنہ ہیں جب تک ہم ان پر عمل نہ کریں اور جب تک وہ ہمارے معتقد علیہ نہ ہوں تب تک ہم فلاح کس طرح پا سکتے ہیں۔

(۱۰) وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ رسول کریم کی بعثت دو فرائض رکھتی تھی ایک طرف بشیر تھی اور دوسری جانب نذیر بھی تھی یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ رسول کریم باتباع قرآن مجید و باتباع الہام ہر ایک قسم کی مشکل اور سوال کے متعلق ایک مفسر اور شارح ہوں شریعت قرآن مجید بھی ہے اور قرآن کے علاوہ وہ اقوال وہ اجتہادات وہ افعال اور وہ اسوہ حسنہ بھی جو رسول مقبول نے اپنی زندگی میں امت کے سامنے پیش کیا وہ کیا ہے۔

(۱) افعال نبوی۔

(۲) اخلاق نبوی۔

(۳) حرکات نبوی۔

(۴) برکات نبوی۔

" اقوال نبوی

" اجتہاد نبوی

یہی باتیں ہیں جو حیات نبوی کا خلاصہ ہیں۔ یا یہی رسول مقبول کی زندگی تھی۔ احادیث صحیحہ نبوی سے انکار کرنا زندگی نبوی سے منکر ہونا ہے زندگی نبوی کی کیفیات سے اعراض کرنا خود رسول سے اعراض ہے ہر زندگی کچھ نہ کچھ کیفیات رکھتی ہے اور خصوصاً ایک رسول کی زندگی تو مختلف کیفیات اور تعبیرات کا ایک چشمہ یا ایک مخزن ہوتی ہے یہ کہنا کہ سوائے تلاوت آیات قرآن مجید کے آنحضرت کے منہ سے اور کچھ بھی نہیں نکلا اور آنحضرت ساری عمر خاموش ہی رہے نہ توان کے سامنے کوئی سوال پیش ہوا اور نہ انہوں نے کوئی قضیہ حل کیا۔ آں حضرت کی زندگی کی کیفیات اور تعبیرات کو بالکل محدود بنا دینا ہے اور یہ کہنا کہ آنحضرت نے جو کچھ قرآن مجید کے سوائے کہا اور سنا ہے وہ ہمارے واسطے سند نہیں ہے ایک ایسی جرات ہے جو کبھی بھی قابل معافی نہیں ہوسکتی اس کا دوسرے الفاظ میں سوائے اس کے اور کیا مطلب ہوسکتا ہے کہ نعوذ باللہ رسول کی زندگی محض خاموش اور معطل تھی "

زندگی تشریعی رسول

ایک تشریعی رسول کی زندگی محض کتاب الٰہی پر ہی بس اور ختم نہیں ہوتی اس کے علاوہ اس کا سلسلہ زندگی باتباع قرآن مجید زاید الہامات اور زاید کیفیات سے بھی متکلیف رہتا ہے۔ کیا نزول قرآن مجید کے سوائے ضمیر نبوی اور فیوضات الٰہی سے محروم تھا۔ یا رسول مقبول اپنے اجتہاد کے تحت باتباع قرآن مجید اور کچھ بھی نہیں فرماتے تھے۔

(۱) لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ط

اسوہ حسنہ کیا ہے رسول کے افعال رسول کے اخلاق رسول کے اقوال رسول کی تعبیرات اور رسول کی زندگی کے ہر ایک قسم کے نمونے رسول کلام الٰہی کا ایک پہلا معبر اور مفسر ہوتا ہے اس کی تعبیر اور تفسیر مختلف رنگ رکھتی ہے اور وہ سب کا سب مواد ایک اسوہ حسنہ ہے اس اسوہ حسنہ سے انحراف خدا سے انحراف ہے کیونکہ خدا اُسے ایک نمونہ بنا کر بھیجتا ہے۔

صحیح احادیث کی کوئی قیمت نہ ڈالنا اور اُن سے انحراف رسول سے انحراف ہے اور رسول سے انحراف خدا سے انحراف ہے۔ اور

رسول کی زندگی شارعانہ کو محض بیکار اور معطل ثابت کرتا ہے رسول صرف کتاب لیکر ہی نہیں آتا۔ بلکہ کتاب کا شارعہ اور کتاب کا فعالی اور اقوالی رنگ میں معبر مفسر بھی ہوتا ہے۔ خدا جسے زیور رسالت سے مزین کرتا ہے۔ اسے اپنے فرمان کے علاوہ اور بھی بہت کچھ دینا ہے۔ کیا کوئی سفیر سلطنت مراسلہ شاہی کے سوائے کسی اور امر کی بابت رائے نہیں دیسکتا۔ یا اوسے رموز حکومت سے کچھ اور تعلق نہیں ہوتا۔ کیا وہ اپنی حکومت اور دوسری حکومت کے امور اور اغراض سے ناواقف ہوتا ہے۔ کیا کوئی سفیر کسی جدید سوال کے اُٹھنے پر بھی کہکر خاموش ہوجاتا ہے کہ میں اس مراسلہ کے سوائے اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔ یا میں اس مراسلہ کے بغیر اور تفہیم سے محض محروم ہوں مجھے کوئی اور بات معلوم نہیں ہے کیا ایسا سفیر سفیر ہوسکتا ہے۔ اگر ایک طرف رسول مقبول کو کلام الٰہی دیا گیا تو دوسری طرف اس کا مفسر بھی بنایا گیا۔ اور اس کی ضمیر ایسی روشن اور جامع بنائی گئی کہ ہر موقعہ مناسب پر وہ کام دیتی رہی۔ اور ہر ایک قسم کی مشکلات پر وہ غالب آئی +

عمل

کیا ہم یہ پوچھ سکتے ہیں کہ سب سے اول رسول نے نماز پڑھ کر اور روزہ رکھکر دکھایا یا کسی اور نے کیا سب سے اول رسول نے ہی یہ اسوہ حسنہ نہیں دکھایا۔ کیا اس پر رسول نے کچھ کہا ہو یا نہ کچھ نہیں کہا اگر کچھ کہا ہے تو وہی دوسرے الفاظ میں رسول کا فعل اور رسول کا عمل رسول کا قول یا رسول کی حدیث ہے اور وہی امت کے لیئے ایک اسوہ حسنہ بھی ہے ٭

رسول مقبول نے دوسرے سلاطین اور دوسرے لوگوں کی طرف جو مراسلہ جات اور خطوط لکھے ہیں اور جن سے ہم انکار نہیں کر سکتے کیا وہ قرآن مجید میں لکھے ہیں اور کیا وہ قرآن مجید کی نقل ہیں۔ اگر وہ رسول صلعم نے خود اپنی زبان سے لکھائے ہیں اور یہ رسول کی حکمت فرمان الہٰی ایک اپنی رائے ہے تو وہی تو رسول کی حدیث صحیحہ اور رسول کا قول مستند ہے کیا ہم اس حدیث سے انکار کر سکتے ہیں۔ جب ہم اس سے انکار نہیں کر سکتے ہیں اور کس طرح ہمارا ایمان یہ اجازت دیتا ہے کہ ہم رسول کے افعال اور اقوال

سے منحرف ہو کر اسوۂ حسنہ کی تکذیب کریں نعوذ باللہ ۔

(۱۲) وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی

رسول نہیں بولتا اپنی خواہش سے ۔

اس آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ رسول اپنی خواہش سے نہیں بولتا۔ لیکن جو کچھ اس پر نازل ہوتا ہے ۔ وہی کہتا ہے اور وہی سناتا ہے ۔ اگرچہ یہ آیت بالخصوص نزول قرآن مجید کی بابت ہے لیکن اس سے یہ بھی ثابت ہو کہ تہذیب نفس اور دیگر امور شرعی کی بابت بھی جو کچھ رسول کہتا ہے وہ بھی اسی چشمہ اور اسی سلسلہ کلام الٰہی سے مربوط اور مستند ہے ۔ جو سلسلہ قرآنی سے وابستہ ہے ۔ رسول چونکہ سراسر نور ہدایت ہوتا ہے اس واسطے وہ جو کچھ کہتا ہو خصوصی امور معاملاتی اور رموز تہذیبی ہیں وہ سب کچھ اگر الہامی نہیں ہوتا تو ظل الہام تو ضرور ہوتا ہے اس میں ذاتی خواہش تو بہت کم ہوتی ہے ۔

اور بالخصوص رسول کے وہ افعال اور وہ اقوال اور وہ اجتہادات جو اخلاقی اور مذہبی رنگ میں ہوتے ہیں ۔ قریباً الہامی یا ظل الہام ہوتے ہیں ۔ وہ لوگ جو قرب الٰہی رکھتے ہیں ان کا قرب انہیں ہمیشہ ایسے ہی امور اور ایسے ہی الفاظ کا مورد

رکھتا ہے۔ جو الہامیات سے بہت ہی قریب اور مماثل ہوتے ہیں۔ بایں حالات یہ کہا جائیگا۔ کہ رسول کی زندگی کے اکثر واقعات اور عملیات ہمیشہ امت اور مقتدیوں کے واسطے ایک نمونہ اور اسوہ حسنہ ہوتے ہیں۔ اور امت کا یہ فرض اولین ہے کہ انہیں نقوش قدوم پر چلے۔ اور اسی طرح اسوہ حسنہ کی خوشہ چینی کرے۔

(۱۳) اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً

اس آیت میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ جب تم پیغمبر کے پاس کسی مصلحت کے واسطے آؤ تو قبل آنے کے کچھ خیرات کرلیا کرو۔

اس سے ثابت ہے کہ رسول کے پاس لوگ مختلف امور کی دریافت اور مشورت کے واسطے آتے تھے۔ جب امت اور غیر امت کے لوگ رسول کے پاس آیا کرتے تھے۔ تو حضرت بھی کچھ مشورت دیتے اور فرماتے ہی ہونگے۔ پس جو کچھ رسول نے مختلف اوقات میں لوگوں کے جواب میں کہا سنا وہی حدیث اور وہی اسوہ حسنہ ہے۔ جب اس وقت کے لوگ اس پر عمل پیرا تھے۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم ان کی ہدایت میں سے ہو کر اس

جادہ مستقیم سے منحرف ہوں۔

کیا رسول نے اپنی زندگی میں جو کچھ اپنے اصحاب و مقتدیوں سے کہا وہ ان لوگوں نے منظور نہ کیا۔ اگر ان لوگوں نے کوئی انحراف نہیں کیا تو اب ہم کس طرح کر سکتے ہیں۔ اور اگر انحراف کریں تو

فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ

کے منسوب ہونگے۔

(۱۴) وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا

اس آیت میں جیسے نافرمانی اللہ کی نسبت سزا کا اشارہ کیا گیا ہے ایسے ہی رسول کی نافرمانی کی بابت بھی کہا گیا ہے۔ اگر رسول کی زندگی ایک اسوہ حسنہ اور ایک نمونہ سعید تھی اور یہ ثابت ہے کہ رسول نے اپنی زندگی میں قرآن مجید کے تحت اور بھی بہت کچھ کہا سُنا تو اس سے بھی انحراف وہی اثر اور وہی نمونہ رکھیگا جو خدا کی نافرمانی کا ہے۔ ہاں یہ جدا بات ہے کہ ارشادات رسول سے کوئی ارشاد خلاف کلام الٰہی ثابت کیا جائے کیونکہ ممکن ہے کہ رسول کریم کی زندگی ہی قرآن مجید تھی قرآن مجید کے مطابق

ان کا کوئی معادی فعل اور کوئی روحانی قول کس طرح خلاف قرآن مجید ہو سکتا ہے +

(۱۵) یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ لَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ

اس آیت کریمہ میں رسول کی نافرمانی کو مبطل اعمال قرار دیا گیا ہے رسول کا ماننا صرف یہی نہیں کہ اُسے ایک رسول یا ایک قاصد مان کر خاموش رہیں اور صرف یہ کہہ چھوڑیں کہ اُن کی معرفت قرآن مجید نازل ہوا تھا۔ اور وہ بایں حیثیت ایک رسول تھے بلکہ یہ کہ جو کچھ اُن سے تحت قرآن مجید شرعی رنگ میں علاوہ از قرآن مجید اور کلام الٰہی کے ثابت ہے اُس سب پر ایمان لایا جائے۔ جب خدائے قدیر اپنی اطاعت کے ساتھ ہی رسول کی اطاعت کا بھی حکم دیتا ہے اور محبت الٰہی میں انسان اس وقت تک بموجب فحوائے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ الخ کامل نہیں ہوتا کہ جب تک رسول کی محبت ہی نہ ہو تو کس طرح رسول کا اسوہ حسنہ اور رسول کا کلام چھوڑ دیا جائے +

ہمارے رسول کریم ایک شریعت لائے تھے۔ کلام ربانی کے سوائے انہیں اور امور میں بھی عمر بھر مکالمات الٰہی کا شرف حاصل تھا

اُن کی ساری زندگی اتمام شریعت میں ہی گذری آیت کریمہ
اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ
لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا
میں اسی امر کی طرف اشارہ ہے کہ ہر ایک قسم کا کمال شرعی اور انمام فرائض دینی و مصالح روحانی اس ذات اقدس پر ختم کر دیا گیا۔ اب احادیث نبوی اور اقوال رسولی و اسوۂ حسنہ رسول سے انکاری ہونا اس آیت سے بھی انحراف اور اعراض ہے۔

تکمیل اسلام

(۲۱) وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ اس آیت پر بھی غور کرو اور دیکھو کہ اس سے احادیث صحیحہ اور اقوال مستند کی ضرورت کہاں تک ثابت ہے اور خود قرآن مجید اس پر کہاں تک مصر ہے۔

اسلام کب مکمل ہوتا ہے اور ہم کب پورے مسلمان ہوتے ہیں جب ایک طرف خدا اور قرآن مجید اور اس کا کلام ہو اور دوسری جانب اس کے عظیم الشان بندہ اور خاتم النبیین جب تک یہ نہ ہو تب تک

اسلام کامل نہیں ہوتا۔ رسول پر ہر ایک قسم کی نعمتوں اور افضال کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔ ان نعمتوں اور ان اکرام کے حصہ دار ہم اس وقت ہو سکتے ہیں جب رسالت کی عظمت کیساتھ رسول کے اسوہ حسنہ اور رسول کے افعال اور اقوال کی بھی عظمت اور احترام ہمارا جزو ایمان ہو۔ رسول کے صحیح اور مستند اقوال یا احادیث کا چھوڑ دینا اور رسول کو صرف ایک ڈاکیہ (نعوذ باللہ) سمجھ لینا عقاید اسلام کے سخت منافی ہے خدا اس سے محفوظ رکھے۔

احادیث کیا ہیں

احادیث سے مراد مجموعہ اقوال ہے۔ جو فعلی اور قولی رنگ میں رسول کریم سے مروی ہے دوسرے الفاظ میں احادیث کا مجموعہ وہ فلسفہ تہذیب نفس ہے جو فلسفہ نبوی کہنا زیادہ تر موزون ہے۔ یا ایک فلسفہ الہامی جو فلسفہ قرآن مجید کلام الہی کے تحت وقتاً فوقتاً نبوی ارشادات کی صورت میں صادر ہوتا رہا ہے۔

اگر ذات رسول ثابت ہے تو اس کے اقوال اور افعال بھی ثابت ہیں اور اگر ذات نبوی مقدس اور محترم ہے تو اس کے افعال اقوال اور

اسوہ حسنہ بھی مقدس اور محترم ہے۔ اگر نبی پر ایمان لانا واجب ہے تو اس کے اقوال افعال اور اجتہاد پر بھی ایمان لانا لازم ہے۔

ہر کہ چوں خاک نیست بر در او
گر فرشتہ است خاک بر سر او

جب حدیث رسول کریم کے اقوال ہیں اور یہ ثابت ہے کہ رسول نے اپنی زندگی میں بہت کچھ کہا اور بہت سے معادی اور معاشی معاملات کی بابت تعلیم اور تلقین کی تو وہ دو حال سے خالی نہیں یا تو نعوذ باللہ محض غلط اور بے سروپا ہوگی اور یا صحیح اور درست اگر پہلی صورت ہے تو وہ رسالت پر بھی حملہ کرتی ہے۔ حدیث چھوڑنے سے چھوڑنے قرآن مجید اور رسالت سے بھی انحراف لازمی آتا ہے کیونکہ جس رسول کے اقوال اور اجتہادات کی یہ کیفیت ہے اس کی رسالت کیا کچھ پایہ رکھے گی۔ نعوذ باللہ۔

اور اگر اقوال رسول اور اجتہادات رسول صحیح اور درست ہیں تو ان کا اتباع لازمی ہے اور اس سے انکار اور اعراض جادہ اسلام سے دور تر ہے

وضعی یا فرضی احادیث

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ علمائے کرام نے بعض احادیث کو وضعی یا فرضی قرار دیا جائے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ صحیح احادیث نہ ہوں۔ یا بہت سا حصہ احادیث کا صحیح اور مستند ہے ہی نہیں۔ عدالتوں میں لاکھوں مقدمات دائر ہوتے ہیں یہ نہ کہا کہ وہ سب کے سب فرضی اور جھوٹے ہوتے ہیں۔ ایک فریب دہ مانے ہے۔ بیشک قرآن مجید کی حفاظت کا خود اللہ میاں ذمہ وار ہوا ہے بہ مصداق

وَنَحْنُ لَهُ لَحَافِظُوْن

بیشک احادیث کی بابت یہ نہیں کہا گیا لیکن علمائے کرام نے احادیث کی چھان بین جو کچھ کی ہے وہ بھی کم نہیں اس تنقید اور علم اسماء الرجال کی بدولت احادیث اس قدر کھری اور نقد بنا دی گئی ہیں کہ اس کے اجزائے مستندہ اور منتقدہ میں شک لانا خود کو اپنی نظروں میں خود بے اعتبار بنانا ہے۔ وضعی اور فرضی احادیث کی علمائے امت دو قسمیں کرتے ہیں:

(الف) ایک وہ جو کلام الٰہی اور اسوۂ حسنہ رسول مقبول کے صریح خلاف ہیں

(ب) ایک وہ جو خلاف تو نہیں مگر اُن کی وضعیت ثابت ہے یا اُن کی نسبت کوئی قولی سند پیش نہیں ہو سکتی۔
پہلی قسم کی احادیث تو قطعی احاطہ بحث سے خارج ہیں۔ دوسری قسم کی احادیث بلحاظ اپنے مضامین کے اگرچہ بری نہیں ہیں۔ مگر چونکہ اُن کی اسناد ثابت نہیں ہیں۔ اس واسطے وہ بھی صحیح احادیث کے احاطہ سے خارج کر دی گئی ہیں۔ اس قسم کی احادیث اکثر واعظوں اور مناددوں کے تختہ مشق رہتی ہیں۔ اگرچہ ان کے مضامین بُرے نہیں ہوتے مگر بعض امور میں اس قدر مبالغہ اور اس قدر وعبارت اور تکلفات ہوتے ہیں کہ ان کا صحیح پیمانہ پر تسلیم کیا جانا خالی از نقص نہیں کیونکہ شریعت اسلام تحت حکم لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا اس قسم کے مبالغوں اور افراط تفریط کو روا نہیں رکھتی۔
ان دونوں قسموں کے بعد جو کچھ حدیث میں بچتا ہے وہ خالص اور مستند ہے اور وہ ایک ایسا پاک فلسفہ ہے کہ جس سے کوئی دوسرا فلسفہ ٹکر نہیں کھا سکتا اور جو ہم مسلمانوں کی تمدنی معاشی تہذیبی اور اخلاقی ضروریات کے لئے ایک خوش آئند مصالحہ ہے۔

یہ سوال کہ

احادیث میں ایسی وضعیت کیوں ہے اور کیوں اس سے ذخیرہ

احادیث کی وقعت اور قیمت میں بٹہ لگ گیا۔
بجائے خود کوئی قیمت نہیں رکھتا اول تو قرآن مجید کی طرح احادیث کے متعلق خدائے قدیر نے احتفاظ کا کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ اور دوسرے یہ کہ رسول ؐ کے کلام میں اختلاط کا ہونا کوئی اچنبا بات نہیں۔ کیونکہ بعض لوگ کسی غلط فہمی یا کسی خودغرضی سے کبھی بعض وقت ایسا کر بیٹھتے ہیں اور رفتہ رفتہ ان کا کلام بھی اس سلسلہ میں شامل ہوتا گیا۔ یا بعض وقت کسی غلط روایات کے تحت ایسا سلسلہ چل پڑا یا کسی نے نیک نیتی سے غلط تاویل یا غلط تعبیر کی۔
زیادہ تر نقص اس صورت میں تھا جب احادیث کی تنقید اور صحت نہ ہوئی۔ ایک تو راویوں کی اخلاقی حالت اور صدق و کذب پہ تنقید کی گئی اور دوسرے اس ضرورت سے کہ کہاں تک کوئی کلام رسول قرآن مجید کے مطابق ہے۔ ان دونوں طریقوں سے احادیث کی تنقید جس پیمانہ پر اور جس خوبصورتی سے ہو چکی ہے وہ بجائے خود ایک ایسا قانون بن گیا ہے کہ اب احادیث کا ذہن بالکل صاف اور پاک ہو گیا ہے
باقی رہی یہ بات کہ اب بھی بعض لوگ ایسی احادیث کا حوالہ دیتے ہیں جو وضعی کہاتے ہیں ڈال چکی ہیں سو اس سے کوئی استحال لازم نہیں آیا

آتا۔ کیونکہ ایسی احادیث بھی بجائے خود باعتبار اپنے حسن مضامین اور حسن اغراض کے ایک اخلاقی خوبی رکھتی ہیں اور انہیں اقوال حسنہ میں کم سے کم جگہ مل سکتی ہے اور دوسری طرف انہیں نقادان حدیث نے سلسلہ احادیث میں رکھا ہی نہیں۔

اس بات سے انکار کرنا کہ احادیث صحیحہ کا وجود ہی نہیں آفتاب صداقت سے انکار ہی ہوتا ہے

عذر فضول

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ

احادیث کا سلسلہ بھی بطور ایک تاریخ کے ہے یا احادیث میں بھی ایک تاریخی روح پائی جاتی ہے اور تاریخ پر اعتبار اور وثوق نہیں کیا جا سکتا

جو شخص تاریخ پر اعتبار نہیں کرتا اور اس سے اعراض مستحسن سمجھتا ہے وہ ایک صورت میں خود قرآن مجید کا ہی منکر ہے کیا اس نے دیکھا نہیں کہ قرآن مجید میں کس قدر تاریخی واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ اور دوسری جانب کس قدر تاریخی واقعات کی جانب توجہ دلائی گئی ہے یہ قصص انبیاء علیہم السلام تاریخ نہیں تو اور ہے کیا یہ

قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ جو بار بار قرآن میں آتا ہے تاریخ کا مصالحہ اور مقدم نہیں تو اور کیا ہے۔ اگر بنفسہٖ تاریخ معتبر نہیں تو پھر قرآن مجید کا بہت سا حصہ نعوذ باللہ نکال دینا پڑیگا۔

اگر روایات پر اعتراض ہے تو کیا تاریخ روایات کا دوسرا نام نہیں ہے اور کیا خود قرآن مجید کی بابت بھی ہمارا علم روایات کے تابع نہیں ہے اور کیا روایات ہی سے یہ بیان نہیں کیا جاتا کہ قرآن مجید کا نزول یوں ہوا اور اس کی داغ بیل یوں ڈلی ۔

سوانح عمری بھی تو ایک تاریخ ہی ہوتی ہے تذکرات بھی ایک تاریخ ہی ہیں۔ کیا حضرت رسول کریم کی سوانح عمری اور اسی طرح دوسرے مشاہیر اسلام کی سوانح عمریاں اور تذکرات کوئی قیمت نہیں رکھتے کیا رسول کریم کی زندگی کے کوائف اور حالات جیطہ اعتبار سے نعوذ باللہ خارج ہیں رسول کریم کا ذکر خیر ہم تک تاریخ ہی کے ذریعہ پہونچا ہے۔ ہم اپنے آباؤ اجداد کی بھی کوئی تاریخ رکھتے ہیں کیا یہ سلسلہ بھی پُرخطر نہیں ہے۔ اگر احادیث میں سلسلہ روایات پایا جاتا ہے تو کیا قرآن مجید کے نزول کا سلسلہ بھی چند روایات کے تابع نہیں ہے جب یہ کہا جاتا ہے کہ قرآن مجید یوں نازل ہوتا رہا۔ تو یہ بھی تو ایک تاریخی پہلو ہی رکھتا ہے یہ علم قرات کیا ہے یہ بھی

بھی چند روایات کا ہی سلسلہ ہے +

یہ تمام علوم فنون جو روایات سے وابستہ ہیں تاریخ ہی تو ہیں۔ جغرافیہ کیا ہے ایک قسم کی تاریخ ہی تو ہے۔ ہم کہاں تک تاریخ سے انکار کرتے جائیں گے۔ ہم خود بھی تو ایک تاریخ ہی ہیں اگر روایات سے اس قدر چڑ ہے تو پھر ہماری زندگی کا خدا حافظ وہ تو سرے سے لیکر اخیر تک روایات ہی پر موقوف ہے اگر ایک گھنٹہ بھی سلسلہ روایات بند ہو جاوے تو ہماری زندگی ہی دو بھر ہو جاوے +

ہماری زندگی کا جوہر زندگی روایات ہی ہیں اور ہم اس کے بغیر زندہ ہی نہیں رہ سکتے +

ایک دُوسرا عذر

دنیا میں خوش فہموں کا بھی کوئی اندازہ اور کوئی کمی نہیں۔ ایک عقل کے دشمن فرماتے ہیں۔ قرآن مجید میں لفظ رسول کا جو آیا ہے اس سے بعض آیات سے صرف قرآن مجید ہی مراد ہے اس واسطے اتباع حدیث ضروری نہیں +

ہم نہیں سمجھ سکے کہ

یہ بات قرآن مجید کی کس آیت سے نکلتی ہے۔ مثلاً اگر کسی آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ

"کَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْکُمْ رَسُوْلًا مِّنْکُمْ"

تو اس کا مطلب کیا ہوگا

قرآن مجید میں رسول سے مراد حضرت محمدؐ رسول اللہ صلعم ہی ہیں دیکھو آیت کریمہ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ میں کس صراحت سے رسول کریم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ایسی بیہودہ کہانیوں سے خدانخواستہ عظمت رسول میں کیا فرق آسکتا ہے۔ اور کون صادق مسلمان اپنے پیارے اور برگزیدہ رسول کے اسوہ حسنہ اور اقوال مقدسہ سے انحراف کر سکتا ہے اور کسی کی کم بخت روح یہ کالک کا ٹیکا اپنی قسمت کی پیشانی پر لگا سکتی ہے۔ اور کون بدبخت یہ الزام اپنے ذمے لے سکتا ہے۔ اور کون رسول عربی ایسے نبی کے سایہ عاطفت سے نکل سکتا ہے اور کس کو یاد رسول سے انکار اور اعراض ہو سکتا ہے

چونکہ احادیث سے بھی یاد رسول ہی منصور ہے۔ قولی اور فعلی دونوں رنگوں میں اس واسطے یہ چند سطور اس بحث یا ابن کر میں حوالہ قلم ہوتی ہیں ؎

رہ سہکر رسول ہی تو ہمارا

ما پہ ناز ہے

درد و از انس و جاں باشد بر اں کس
کہ نا ید مثل او اندر جہاں کس

خود بیننا ہر نورے روئے او شد
معطر از نسیم کوئے او شد

زمین و آسمان و عرش و کرسی
بہشت و دوزخ و جن و انسی

بہ سر او است بشنو از دلِ پاک
بریں روشن دلیلے ہست لولاک

مرقع انبیا در زیر جاہش
مشرف اولیا از خاک راہش

فتوح انبیا و اولیا ز و است
چہ گویم گر بداں جملہ نخود و ست

شنیدی در شب اسرا کجا شد
ہمہ تابع بدند او مقتدا شد

ہنوز آدم میان آب و گل بود
دراں حضرت نبی حاضر بدل بود

محمد در شریعت نام او داں
و لیکن در حقیقت احمدش خواں

بیفگنا یم احمد در طریقت
کہ تا نامش بدانی در حقیقت

خدارا در الٰہیت احد خواں بنی را در عبودیت یکے داں
چو حق اندر خدائی فرد و وتنا است
نبی در بندگی بے مثل و ممتا ست

یقین داں تاکہ نشناسی خدا را ندانی قرب و جاہ و مصطفٰے را
تو او را چوں بدانستی تمام است ترا کار دو عالم بر نظام است

اسلام کی شان اور عظمت اسی وقت ظاہر ہوتی ہے جب محمدؐ رسول اللہ صلعم کی شان اور عظمت کا اعتراف کیا جائے اور عملی رنگ میں اس حضور اقدس کی عظمت غیرت اور حمیت دل و دماغ میں ہو۔ جو دل عزت احمدی سے خالی ہے وہ دل نہیں بلکہ ایک مضغہ گوشت جس دماغ میں حمیت احمدی نہ ہو وہ دماغ نہیں بلکہ ایک بھس مسلمانوں کی زندگی مکمل ملی زندگی اسی صورت میں متصور ہے جب نام محمدؐ اور اسوہ محمدؐ ان کا ورد جان ہو۔

یہ محمدؐ ہی کی برکت اور یمن ہے کہ ہم اس وقت موحد اور خدا پرست ہیں یہ محمدؐ ہی کا کام ہے کہ آج دنیا کے ۴۰ کروڑ باشندوں میں دن اور رات کے پانچ وقتوں میں واحد خدا کا نام لیا جاتا ہے یہ محمدؐ ہی کی طفیل ہے کہ آج ہم اسلام ایسا مذہب رکھتے ہیں اور

ہمارا نام مسلمان ہے اگرچہ ہم شومئ قسمت سے بہت کچھ ادبار زدہ اور فلوک بھی ہیں لیکن اسلام قرآن اور احمد صلعم کے نام سے ہمیں اس پر بھی جو کچھ طمانیت ہے وہ ہمارا دل ہی جانتا ہے۔

لوگ کہا کرتے ہیں۔

البغض للہ

والحب للہ

میں اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہنے کی اجازت مانگتا ہوں

الحب للمحمد

والبغض للمحمد

یہ کوئی نیا خیال نہیں بالفاظ دیگر آیت کریمہ

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

کا ہے اختصار اور ترجمہ یا تفسیر اور تعبیر ہے

یہی ما بہ الناز اسلام کا نچوڑ ہے اور اسی کی ذات ہمارے اور خدائے کریم کے درمیان ایک واسطہ اور وسیلہ ہے +

تشریعی نبی

اس بحث کی چنداں ضرورت نہیں کہ نبی تشریعی بھی ہوتے ہیں اور غیر تشریعی بھی ان دونوں میں فرق ہے۔ غیر تشریعی نبی وہ ہوتے ہیں جو خدا کے ذریعے سے الہام پاکر اور ہم کلام ہوکر بھی کوئی جداگانہ شریعت نہیں لاتے۔ اور کسی دوسری یا سابق شریعت کے تابع ہوتے ہیں۔

تشریعی نبی وہ ہوتے ہیں۔ جو ایک نئی شریعت ساتھ لاتے ہیں۔ اور ان کی نبوت اور شریعت کے آنے پر پہلی شرائع میں یا تو کچھ ترمیم ہوتی ہے اور یا کچھ تنسیخ اور یا کچھ ایزادی۔

ترمیم اور تنسیخ ان ہی معاملات اور ان ہی امور میں ہوتی ہے جو بعض اغلاط یا غلط فہمیوں کے ہونے سے شریعت کا جزو بنا دیئے گئے ہیں یا جن کی تعبیر اور تاویل شریعت کے خلاف کر دی گئی ہے۔

اور ایزادی ان امور میں ہوتی ہے۔ جن کی ضرورت اور

بلحاظ واقعی اور موقعتہً ضروریات کے ہوتا ہے

کوئی جدید شریعت ان امور میں کوئی ترمیم یا کوئی ایزادی ملحوظ نہیں رکھتی۔ اور جو اصولی ہوتے ہیں صرف ایک مزید تفسیر یا مزید تعبیر کی جاتی ہے

ہر تشریعی رسول کے ذمہ ہمت پر امور یا فرائض ذیل لگائے جاتے ہیں +

(الف) کلام جدید کا ابلاغ۔

(ب) کلام جدید کی تعبیر اور تفسیر۔

(ج) کلام جدید کے نکات۔

(د) کلام عتیق اور کلام جدید کے امور متفقہ کا بیان

(ھ) کلام سابق کی غلط تعبیرات کی تفصیل اور صحت۔

(ز) دیگر سوالات پیش آمدہ کا جواب

(ح) ضروری اجتہادات

(ط) افعالی اور اعمالی رنگ میں ایک نمونہ

(ی) اقوالی رنگ میں ضروری تفصیلات

(ک) قضایائے متناقضہ اور امور مشتبہہ کا حل اور جواب

(ل) صحت تمدن و تہذیب نفس +

یہی باتیں ہیں جو ایک تشریعی نبی کے ذمہ ہمت پر ہوتی ہیں۔ ہم اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ ہمارے رسول نہ صرف تشریعی نبی ہی تھے۔ بلکہ ایک آخری شریعت بھی لانے والے تھے اور اس کے بعد کوئی جدید شریعت نہیں آسکتی کیونکہ وہ سلسلہ نبوت کے ختم کرنے والے ہیں۔

جب کوئی دوسری شریعت اور نہ کوئی تشریعی نبی اب آسکتا ہے تو کیا ایسے رسول کی گراں بہا اور ذمہ وار زندگی اعلان شریعت سے غافل رہ سکتی ہے اور آیا ان کے اقوال افعال اور اجتہاد شریعت کا رتبہ نہیں رکھتے اور کیا وہ ہمارے واسطے ایک قانون اور اسوہ حسنہ نہیں ہیں۔

یہ کہنا کہ ہمارے واسطے قرآن مجید ہی کافی ہے۔ بالکل درست ہے۔ مگر اس صورت میں جب شریعت ہی جو رسول کا اجتہاد اور رسول کی تفسیر ہی ساقط ہو۔ کیا صرف قرآن مجید کا بغیر رسول کے ماننے کے اعتراف ہمیں مسلمان رکھ سکتا ہے یا صرف اس مرحلہ پر ہمارا ایمان کامل ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں اگر ہم رسول کو نہ مانیں اور اس کی زندگی کا اعتراف نہ کریں۔ تو خدا کا ماننا بھی ہمارے واسطے یا ہمارے اسلام کے لیئے کوئی کفالت نہیں

ہو سکتا۔ کیا مسلمانوں کے سوائے دوسری قومیں اپنے اپنے رنگ میں خدا کو نہیں مانتی ہیں اور کیا ان کا ایساعمل انہیں مسلمان بناتا ہو ہم اس وقت مسلمان ہو سکتے ہیں +

جب رسول عربی کا ہر رنگ میں اعتراف کریں۔ خدا قرآن مجید اور محمد صلعم لازم ملزوم ہیں۔ ان تینوں کڑیوں کا نام اسلام ہے ایک طرف خدا درمیان میں محمد اور دوسری طرف قرآن مجید ہے۔ گویا ذات احمد صلعم ایک اوسط اور درمیانی کڑی واقعہ ہوئی ہے۔ درمیانی کڑی کے نکلنے سے دونوں کڑیاں جدا ہو جاتی ہیں اور کوئی حد اوسط باقی نہیں رہتی۔ خَیرُ الاُمُورِ اَوسَطُہَا ؀

بکوئے احمدی ریز اشک و حاصلے بردار

پئے زراعت تخم امل زمیں این است